www.urduchannel.in

بچوں کی الف لیلہ

علی بابا

چالیس چور

اردو روپ : محمد سلیم الرحمٰن

تصاویر : آمنہ محمود

www.urduchannel.in

بچوں کی الف لیلہ

علی بابا چالیس چور

سکین اینڈ اپ لوڈ بائے
محمد ندیم

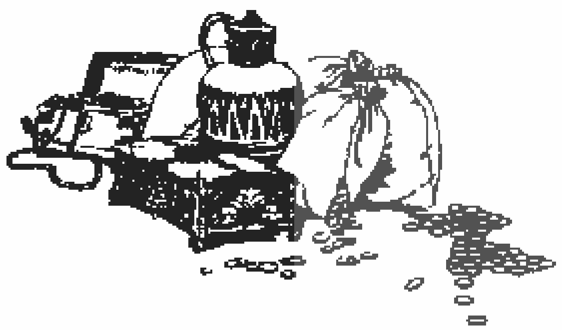

اردو روپ

محمد سلیم الرحمٰن

القا پبلیکیشنز
ریڈنگز کا اشاعتی ادارہ

لاہور

www.urduchannel.in

جملہ حقوق © محمد سلیم الرحمٰن

اشاعتِ اول

الف پبلیکیشنز 2013

یہ کتاب 'ریڈنگز' لاہور اور پاکستان کے دیگر نمایاں کتاب فروشوں کے ہاں دستیاب ہے
جن کی معلومات الف پبلیکیشنز کی ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

'الف پبلیکیشنز' اور 'ریڈنگز' الان وتال پرائیویٹ لمیٹڈ کے ذیلی ادارے ہیں۔

اس کتاب کے کسی بھی حصہ کو کسی بھی صورت اور کسی بھی مقصد کے لیے
استعمال کرنے سے پہلے ناشر سے اجازت لینا ضروری ہے۔

انٹرنیشنل سٹینڈرڈ بک نمبر (ISBN)
978-9-69-947376-0

سرورق و اندرونی تصاویر: آمنہ محمود

خطاطی: نوری نستعلیق

طباعت
مکتبہ جدید پریس، ایمپریس روڈ، لاہور

الف پبلیکیشنز

K-12، مین بلیوارڈ، گلبرگ 2، لاہور 54660
پاکستان

فون: 92 42 3575 7877
فیکس: 92 42 3575 5576
publications@readings.com.pk
www.publications.readings.com.pk

سکین اینڈ اپ لوڈ بائے محمد ندیم

علی بابا چالیس چور

ایران کے کسی شہر میں دو بھائی رہتے تھے۔ ایک کا نام تھا علی بابا، دوسرے کا نام تھا قاسم۔ اُن کا باپ معمولی سا آدمی تھا۔ جو تھوڑا بہت اُس کے پاس تھا اُس نے مرنے سے پہلے دونوں بیٹوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا تھا۔ اِس لحاظ سے دونوں کا حال ایک جیسا ہونا چاہیے تھا لیکن قسمت کے کھیل انوکھے ہوتے ہیں۔ قاسم نے جس عورت سے شادی کی اُسے تھوڑے دن بعد ورثے میں ایک دکان، جس میں ہر طرح کا مال تھا، اور ایک گودام مل گیا، جس میں عُمدہ سے عُمدہ سامان رکھا تھا۔ دکان اور گودام کے علاوہ بھی بہت سی جائیداد ہاتھ آئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم دیکھتے ہی دیکھتے اتنا خوشحال ہو گیا کہ اُس کا شمار شہر کے امیر ترین تاجروں میں ہونے لگا۔

علی بابا کی شادی جس عورت سے ہوئی وہ اسی کی طرح غریب تھی۔ زندگی بڑی مشکل سے گزرتی تھی۔ علی بابا کے پاس صرف تین گدھے تھے۔ اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے وہ روز جنگل چلا جاتا جو شہر کے پاس ہی تھا۔ وہاں وہ لکڑیاں کاٹ کر گدھوں پر لادتا اور شہر آ جاتا۔ لکڑیاں اونے پونے بیچ کر گھر کا خرچ چلاتا۔

ایک دن وہ جنگل میں گیا اور جب اتنی لکڑیاں کاٹ چکا جن کا بوجھ گدھے اٹھا سکتے تھے تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک سمت میں بڑی گرد اُڑنے لگی ہے اور اسی کی طرف بڑھی آ رہی ہے۔ غور کیا تو پتا چلا کہ بہت سے گھُڑ سوار گھوڑے دوڑاتے چلے آتے ہیں۔ اگرچہ اِس علاقے میں چوروں کا ذکر سننے میں نہ آتا تھا لیکن علی بابا کو لگا کہ یہ

www.urduchannel.in

گھڑ سوار چوروں کا ٹولا ہیں۔ علی بابا گدھوں کو تو بھول گیا، اپنی جان بچانے کی فکر پڑگئی۔ جھٹ پٹ ایک درخت پر چڑھ گیا۔ درخت پر شاخیں بہت اور پتے بے شمار تھے۔ اُن کے درمیان چُھپنا آسان تھا۔ علی بابا شاخوں میں ایک طرف سمٹ کر بیٹھ گیا۔ اطمینان کی سانس لی کہ اب میں سب کو دیکھ سکتا ہوں اور مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ درخت ایک الگ تھلگ چٹان کے قریب تھا۔ چٹان بہت اونچی اور بالکل سیدھی تھی۔ اِس وجہ سے چٹان پر کسی طرف سے بھی چڑھنا ممکن نہ تھا۔

گھڑ سوار، جو ہٹے کٹے، ہر طرح مُسلح اور تعداد میں بہت سے تھے، چٹان کے پاس پہنچے اور اتر پڑے۔ علی بابا نے اُنھیں گنا تو وہ پورے چالیس تھے۔ اُن کے ہتھیار اور ڈراؤنے حُلیے دیکھ کر علی بابا کو کوئی شبہ نہ رہا کہ وہ چور ہیں۔ اُن کی اصلیت پہچاننے میں اُس سے کوئی غلطی نہ ہوئی تھی۔ یہ ایسے لُٹیرے تھے جو آس پاس کے علاقوں میں کبھی چوری چکاری نہ کرتے تھے بلکہ لوٹ مار کرنے اور ڈاکے ڈالنے کے لیے دُور دراز کے مقامات کی طرف نکل جاتے تھے۔

اِس کے بعد علی بابا نے جو دیکھا تو شک کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ ہر گھڑ سوار نے لگام اتار کر گھوڑے کو رسّی سے باندھا۔ پھر اُس کے گلے میں ایک تھیلا ڈال دیا جس میں جو بھرے ہوئے تھے۔ پھر ہر ایک نے اپنا اپنا تھیلا اٹھایا۔ ہر تھیلا اتنا بھاری معلوم ہو رہا تھا کہ علی بابا سمجھ گیا کہ وہ سونے چاندی اور اشرفیوں سے بھرا ہوا ہے۔

چوروں میں جو سب سے نمایاں تھا وہ اُن کا سردار لگتا تھا۔ اُس نے بھی باقی چوروں کی طرح تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ سردار اُس چٹان تک آیا جو درخت کے پاس تھی۔ اُس نے چند جھاڑیاں ہٹا کر بلند آواز میں یہ الفاظ کہے: ''کُھل جا سم سم!'' یہ کہتے ہی چٹان میں ایک دروازہ کُھل گیا۔ جب ایک ایک کر کے سب چور اندر جا چکے تو سردار نے بھی اندر قدم رکھا۔ اُس کے اندر جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔

چور خاصی دیر غار میں رہے۔ علی بابا درخت سے نہ اترا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں اُس کے اترنے کے بعد اُن چوروں میں سے کوئی یا سب کے سب باہر آ گئے تو وہ

پکڑا جائے گا۔ درخت پر چُھپے رہنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ ایک مرتبہ علی بابا کے دل میں لالچ بھی آیا کہ نیچے اتر کر دو گھوڑے ہتھیا لے۔ ایک پر سوار ہو جائے اور دوسرے کی باگ ڈور سنبھال کر تینوں گدھوں کو ہانکتا ہوا شہر کی طرف چل دے۔ لیکن یہ بات خطرے سے خالی نہ تھی۔ اِس لیے اُس نے سوچا کہ درخت پر چُھپے رہنے میں ہی عقل مندی ہے۔

آخر دروازہ کُھلا اور چالیس چور باہر آئے۔ سردار جو سب سے آخر میں دروازے میں داخل ہوا تھا اِس مرتبہ سب سے پہلے باہر نکلا۔ جب باقی چور قطار باندھ کر اُس کے سامنے سے گزر گئے تو علی بابا نے اُسے کہتے سنا: ”بند ہو جا سم سم!“ اور دروازہ بند ہو گیا۔ ہر چور اپنے اپنے گھوڑے پر چڑھا۔ جب سردار نے دیکھا کہ سب روانہ ہونے کے لیے تیار ہو چکے تو وہ آگے آگے چلا اور چور جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی چلے گئے۔

علی بابا پھر بھی درخت سے نہ اترا۔ دل میں کہنے لگا کہ ”وہ شاید کوئی چیز بھول گئے ہوں اور اِس وجہ سے پلٹ آئیں۔ ایسا ہوا تو وہ مجھے دھر لیں گے۔“ وہ چوروں کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اس کے باوجود وہ خاصی دیر تک چُھپا رہا۔ جب اُسے محسوس ہوا کہ اب کسی قسم کا خطرہ نہیں تو درخت سے اترا۔ اُسے یاد تھا کہ سردار نے دروازہ کھولنے اور بند کرنے کے لیے کون سے لفظ استعمال کیے تھے۔ اُس کا دل چاہنے لگا کہ دیکھوں، میرے کہنے سے بھی دروازہ کُھلے گا یا نہیں۔ اُس نے اُن جھاڑیوں کو ہٹایا جن کی اوٹ میں دروازہ تھا اور قریب جا کر ”کُھل جا سم سم!“ کہا۔ دروازہ فوراً چوپٹ کُھل گیا۔

علی بابا کا خیال تھا کہ اندر ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سامنے بہت بڑا ہال ہے جس کی گُنبد نُما چھت بہت اونچی ہے۔ چھت میں ایک بڑا روشن دان ہے جہاں سے دن کا اجالا ہال میں پھیلا ہوا ہے۔ علی بابا نے دیکھا کہ کھانے پینے کی چیزیں ڈھیر ساری موجود ہیں۔ قیمتی کپڑوں کے تھانوں کے

انبار لگے ہیں۔ کہیں ریشمی لباس ہیں تو کہیں سنہرے تاروں والا زربفت اور کمخواب۔ قالین ایسے کہ جن کی قیمت خیال سے باہر۔ سونے چاندی کے سکوں کے ڈھیر لگے تھے۔ بوروں اور چمڑے کے تھیلوں میں اشرفیاں ٹُھسا ٹُھس بھری تھیں۔ یہ بورے اور تھیلے ایک دوسرے کے اوپر چُنے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر علی بابا کو لگا کہ یہ غار برسوں سے تو کیا، صدیوں سے چوروں ڈاکوؤں کا ٹھکانا چلا آ رہا ہے۔ علی بابا ذرا نہ ہچکچایا اور جو دل میں سوچا تھا فوراً اُس پر عمل کیا۔ غار میں قدم رکھتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا تھا۔ اس بات سے علی بابا کو کوئی پریشانی نہ ہوئی کیونکہ اُسے دروازہ کھولنے کا راز معلوم ہو چکا تھا۔ یوں تو غار میں ایک سے ایک قیمتی چیز موجود تھی لیکن علی بابا کی نظر صرف اشرفیوں پر تھی اور وہ بھی جو تھیلوں میں بھری تھیں۔ گدھے اِدھر اُدھر بھاگ گئے تھے۔ اُنھیں ڈھونڈ کر لایا اور دروازے کے آگے لا کھڑا کیا۔ اشرفیوں کے جتنے تھیلے اُن پر لد سکتے لادے اور پھر تھیلوں کو چُھپانے کی غرض سے اوپر لکڑیاں چُن دیں۔ اِس کام سے فارغ ہو کر اُس نے کہا: ”بند ہو جا سم سم!“ دروازے کی خصوصیت یہی تھی کہ جب علی بابا اندر قدم رکھتا تو آپ سے آپ بند ہو جاتا اور جب باہر آتا تو کُھلے کا کُھلا رہتا۔ گدھوں کو لاد کر علی بابا نے شہر کی راہ لی۔ گھر پہنچ کر گدھوں کو صحن میں کھڑا کر کے دروازہ احتیاط سے بند کیا۔ لکڑیاں اتار کر ایک طرف ڈالیں، تھیلے اٹھائے اور گھر میں لے جا کر بیوی کے سامنے رکھ دیے۔

بیوی نے تھیلوں کو ہاتھ لگایا تو اُسے پتا چل گیا کہ وہ سکوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ دل میں شبہہ پیدا ہوا کہ علی بابا نے کہیں چوری کی ہے۔ اُس سے رہا نہ گیا۔ تڑخ کر بولی: ”علی بابا، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے بدمعاش ہو کہ.....“ علی بابا نے فوراً بات کاٹ کر کہا: ”فضول کی سوچ! اتنا نہ گھبراؤ۔ میں چور نہیں بلکہ یوں کہو کہ ایسا چور ہوں جس نے بڑے دھڑلّے کے چوروں کو لُوٹا ہے۔ جب میں اپنی خوش قسمتی کا قصہ تمھیں سناؤں گا تو میرے بارے میں تمھارے دل میں جو بُرے بُرے خیال آ رہے ہیں وہ سب دُور ہو جائیں گے۔“ یہ کہہ کر اُس نے تھیلے الٹ دیے اور

www.urduchannel.in

اُن کے سامنے سونے کے سکّوں کا بڑا انبار لگ گیا۔ اُن کی چمک دمک سے بیوی کے ہوش جاتے رہے۔ علی بابا نے اُسے سارا قصہ اوّل سے آخر تک سنایا اور جب سنا چکا تو تاکید کی کہ اِس معاملے کا کسی اور سے ذکر نہ کرے۔

بیوی کا خوف دُور ہو گیا تو وہ خوشی سے پُھولی نہ سمائی اور سامنے پڑی اشرفیوں کو ایک ایک کر کے گننے لگی۔ علی بابا نے کہا: ''بیوی، یہ عقل مندی کی بات نہیں۔ تم نے سوچا بھی ہے کہ کیا کرنا چاہتی ہو اور اتنی بہت سی اشرفیوں کو گننے میں تمھیں کتنی دیر لگے گی؟ میں گڑھا کھود کر اشرفیاں اُس میں دبا دیتا ہوں۔ ہمارے پاس وقت کم ہے اور کام زیادہ۔'' بیوی بولی: ''لیکن ہمیں تھوڑا بہت اندازہ تو ہو کہ ہمارے پاس کتنا مال ہے۔ یہ جان کے دل باغ باغ ہو جائے گا۔ میں جا کر کسی پڑوسن سے چھوٹی ترازو لے آتی ہوں۔ تم گڑھا کھودو۔ میں اتنی دیر اشرفیاں تولتی رہوں گی۔'' علی بابا نے کہا: ''اشرفیاں تولنے یا گننے کا کچھ حاصل نہیں۔ جو مل گیا اُسے غنیمت سمجھو۔ لیکن اگر ارادہ کر ہی لیا ہے تو تم جانو۔ مگر خبردار، اِس بات کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔''

بیوی باز نہ آئی اور من مانی کرنے کے لیے قاسم کے گھر چلی گئی جو پاس ہی تھا۔ قاسم تو نہ ملا، قاسم کی بیوی گھر پر تھی۔ علی بابا کی بیوی نے کہا کہ تھوڑی دیر کے لیے کوئی ترازو چاہیے۔ بھاوج نے پوچھا کہ تمھیں بڑی ترازو درکار ہے یا چھوٹی؟ علی بابا کی بیوی نے جواب دیا: ''چھوٹی ترازو سے کام چل جائے گا۔'' بھاوج نے کہا: ''بالکل ٹھیک۔ ذرا ٹھیرو۔ میں ترازو لے کے آتی ہوں۔'' قاسم کی بیوی نے جا کر ترازو تو ڈھونڈ نکالی لیکن اُسے معلوم تھا کہ علی بابا بہت غریب ہے۔ سوچا کہ کسی طرح پتا چلانا چاہیے کہ علی بابا کی بیوی کون سا اناج تولنا چاہتی ہے۔ اُس نے ترازو کے پلڑوں کے نیچے تھوڑی سی چکنائی لگا دی۔ پھر ترازو لا کر علی بابا کی بیوی کے حوالے کی اور دیر لگانے کی معافی یہ کہہ کر چاہی کہ تلاش کرنے میں بڑی دقت ہوئی۔

علی بابا کی بیوی نے گھر آ کر ترازو سنبھالی اور اشرفیاں تول تول کر الگ ڈھیر کرنے لگی۔ یہ دیکھ کر بڑی خوش تھی کہ اتنی بہت سی اشرفیاں مفت میں اُن کے ہاتھ

آ گئی ہیں۔ اُس نے علی بابا کو، جو گڑھا کھود چکا تھا، بتایا کہ سونے کا کل وزن کتنا ہے۔

اِدھر تو علی بابا گڑھے میں اشرفیاں دبانے میں مصروف تھا اُدھر اُس کی بیوی بھاوج کو یہ جتانے کے لیے کہ وہ قول کی کتنی سچی اور خیال رکھنے والی ہے ترازو لوٹانے چلی گئی۔ اُسے خبر بھی نہ ہوئی کہ ترازو کے ایک پلڑے میں اشرفی چپکی ہوئی

سکین اینڈ اپ لوڈ بائے محمد ندیم

www.urduchannel.in

ہے۔ جا کر کہنے لگی: ''دیکھو، بہن، تمھیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ میں ترازو واپس کرنے آئی ہوں۔ تمھارا بہت بہت شکریہ۔'' علی بابا کی بیوی کے جاتے ہی قاسم کی بیوی نے جلدی سے ترازو کو الٹ کر دیکھا تو ایک پلڑے کے نیچے اشرفی چپکی ہوئی نظر آئی۔ اُس کی اندر کی سانس اندر، باہر کی سانس باہر رہ گئی۔ اُس کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ کہنے لگی: ''ہائے یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں! علی بابا کے پاس اتنا مال ہے کہ تولنے کی ضرورت پڑ گئی۔ اُس بدبخت کو اتنی اشرفیاں ملیں کہاں سے؟''

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا جب علی بابا کی بیوی ترازو مانگنے آئی تھی تو قاسم گھر پر نہ تھا۔ وہ دکان بڑھا کر شام ہونے کے بعد گھر آتا تھا۔ قاسم کی بیوی کے لیے، جو پیٹ کی ہلکی تھی، انتظار کرنا عذاب ہوگیا۔ دل میں کہتی تھی کہ جلد رات کا اندھیرا ہو اور وہ قاسم کو سارا ماجرا سنائے۔ اُسے یقین تھا کہ جتنی حیرت اُسے ہوئی تھی اِس سے کہیں زیادہ قیامت قاسم پر گزرے گی۔ اُس کی نظر دروازے پر جمی ہوئی تھی۔ جیسے ہی قاسم کی صورت نظر آئی وہ دوڑی دوڑی اُس کے پاس پہنچی اور بولی: ''ارے تم سمجھتے ہو کہ تم بڑے مال دار ہو۔ تمھارا خیال غلط ہے۔ علی بابا کے پاس تم سے کہیں زیادہ دولت ہے۔ وہ تمھاری طرح اشرفیاں اور سکے گنتا نہیں۔ اُنھیں تولا کرتا ہے۔'' قاسم نے کہا: ''بی بی، پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ صحیح صحیح بتاؤ، کیا چکر ہے؟'' بیوی نے اُسے پورا واقعہ سنایا کہ کس طرح چالاکی سے کام لے کر اُس نے علی بابا اور اُس کی بیوی کا راز معلوم کر لیا۔ ثبوت کے طور پر قاسم کو اشرفی بھی دکھائی۔ اشرفی اتنے پرانے وقتوں کی تھی کہ اُس پر جس بادشاہ کا نام لکھا تھا اُس کا کبھی قاسم نے ذکر بھی نہ سنا تھا۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنے بھائی کی قسمت کے جاگنے پر خوشی محسوس کرتا کہ آخر اُس بیچارے کو اچھا کھانے اور اچھا پہننے کو نصیب ہوگا۔ مگر قاسم اچھا آدمی نہ تھا۔ علی بابا کے امیر ہو جانے پر جل بھن گیا۔ رات بھر جیسے انگاروں پر لوٹتا رہا اور پل بھر کے لیے بھی نہ سو سکا۔ اگلے دن منھ اندھیرے ہی گھر سے نکل پڑا اور علی بابا کے دروازے پر جا دھمکا۔ جب سے اُس نے مال دار بیوہ سے شادی کی تھی علی بابا کو سگا

سکین اینڈ اپ لوڈ بائے محمد ندیم

www.urduchannel.in

بھائی سمجھنا چھوڑ دیا تھا بلکہ اُسے بھائی کہہ کر بلاتا تک نہ تھا۔ علی بابا دستک سن کر باہر آیا تو قاسم بولا: ''علی بابا، تُو کسی کو اپنی خبر نہیں دیتا۔ ایسی صورت بنائے رکھتا ہے جیسے آفت کا مارا اور کوڑی کوڑی کو محتاج ہو۔ لیکن تیری غریبی محض ڈھونگ ہے۔ تیرے پاس اتنا سونا ہے کہ تُو ترازو سے اُسے تولتا رہا ہے۔'' علی بابا کہنے لگا: ''بھائی، میں سمجھا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟'' قاسم نے اُسے اشرفی دکھا کر کہا: ''اتنا بھولا نہ بن۔ ایسی اشرفیاں تیرے پاس اور کتنی ہیں؟ کل تیری بیوی ترازو مانگ کر لائی تھی اور جب وہ ترازو واپس کر کے گئی تو یہ اشرفی پلڑے کے نیچے چپکی رہ گئی تھی۔''

جب علی بابا نے یہ بات سنی تو سمجھ گیا کہ بیوی کی ضد کی وجہ سے بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ جس بات کو چھپانا چاہتا تھا وہ قاسم اور اُس کی بیوی کو معلوم ہو چکی تھی۔ اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ وہ نہ تو پریشان ہوا نہ حیران بلکہ قاسم کو بتا دیا کہ کس طرح اتفاق سے اُسے چوروں کے غار کا پتا چل گیا تھا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ قاسم اگر راز کو کسی اور پر ظاہر نہ کرے تو وہ اُس کے ساتھ چوروں کے خزانے میں حصہ بٹانے کو تیار ہے۔

قاسم نے اکڑ کر جواب دیا: ''ہاں، اپنا حصہ تو میں لے کر رہوں گا۔ یاد رکھ، ٹھیک ٹھیک بتانا پڑے گا کہ غار کہاں ہے اور دروازے کو کھولنے اور بند کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ تُو نے کوئی بات مجھ سے چھپائی تو میں شہر کے حُکام سے تیری شکایت کروں گا۔ پھر تیرا ہی نقصان ہوگا۔ غار سے مزید اشرفیاں تُو کہاں چُرا سکے گا بلکہ جو کچھ اب تیرے پلّے ہے وہ بھی چھن جائے گا۔ مُخبری کرنے پر حُکام، انعام کے طور پر، تیری ساری دولت مجھے دے ڈالیں گے۔'' علی بابا اپنے بھائی کی ظالمانہ دھمکیوں سے تو خیر کیا ڈرتا لیکن آدمی بھلا تھا۔ چنانچہ اُس نے بھائی سے کوئی بات نہ چھپائی بلکہ غار کا دروازہ کھولنے اور بند کرنے کا منتر بھی سکھا دیا۔

قاسم نے اور کچھ نہ پوچھا۔ فوراً چل کھڑا ہوا۔ اُس نے ٹھان لیا کہ علی بابا کو مزید فائدہ اٹھانے نہ دے گا۔ غار میں جو کچھ ہے آپ ہی لُوٹ کر لے آئے گا۔

اگلے دن، ابھی سورج نکلا بھی نہ تھا، وہ دس خچر لے کر گھر سے نکل پڑا۔ خچروں پر بڑے بڑے صندوق لاد دیے تھے۔ سوچ رہا تھا کہ اِن سب میں خزانہ بھر کے لے آؤں گا۔ کئی اور صندوق بھی گھر میں اِس خیال سے لا رکھے تھے کہ خزانہ اگر بہت زیادہ ہوا تو شاید دوسرا پھیرا لگانے کی ضرورت بھی پڑ جائے۔

علی بابا نے راستہ بتا دیا تھا۔ چلتے چلتے وہ اُس درخت تک جا پہنچا جس پر چڑھ کر علی بابا چُھپا رہا تھا۔ قاسم کو غار کا دروازہ تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اُس نے ''کُھل جا سم سم!'' کہا اور دروازہ کھٹ سے کُھل گیا۔ اُس نے اندر قدم رکھا تو دروازہ آپ ہی آپ بند ہو گیا۔ جب قاسم نے غار میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو پتا چلا کہ علی بابا نے جو بتایا تھا خزانہ اُس سے کہیں زیادہ ہے۔ اُس نے ہر چیز کو غور سے دیکھنا بھالنا شروع کیا اور حد سے زیادہ حیران ہو گیا۔ اتنی دولت اُس نے خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔ قاسم ایک تو نہایت کنجوس تھا، دوسرے اُسے مال و دولت اکٹھا کرنے کا جنون تھا۔ اُس کا دل چاہا کہ وہاں گھوم پھر کر خزانے کو دیکھتا اور خوش ہوتا رہے۔ آخر اُسے یاد آ گیا کہ وہ کس کام سے یہاں آیا ہے۔ ابھی تو خزانہ خچروں پر لدے صندوقوں میں بھرنا باقی ہے۔ قاسم جتنے بورے اٹھا سکا لا لا کر دروازے کے پاس رکھتا گیا۔ لیکن اتنا بڑا خزانہ دیکھ کر اُس کے ہوش اُڑ گئے تھے۔ جو بات یاد رکھنی ضروری تھی وہی بھول گیا۔ دروازہ کھولنے کا جو منتر تھا وہی یاد نہ رہا۔ کہنے لگا: ''کُھل جا باجرا۔'' دروازہ تو صرف صحیح جملہ ادا کرنے سے کُھل سکتا تھا۔ اسی طرح بند رہا۔ یہ دیکھ کر قاسم کے اوسان جاتے رہے۔ کبھی کہتا: ''کُھل جا کنک''، کبھی ''کُھل جا جوار''، کبھی ''کُھل جا مکئی۔'' غرض جتنے غلّوں کے نام یاد آئے سب دہرا دیے۔ لیکن دروازے نے کُھلنے کا نام نہ لیا۔

قاسم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ دروازہ کھولنے میں ناکام رہے گا۔ اُس کے منھ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ ڈر کے مارے اُس کی عقل بالکل جواب دے گئی۔ ''کُھل جا سم سم!'' کسی طرح یاد نہ آیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ الفاظ اُس نے کبھی سنے ہی نہ

ہوں۔ اشرفیوں سے بھرے بوروں کو بھول بھال، پیٹ پکڑ کر، وہ غار میں دوڑا دوڑا پھرنے لگا۔ پسینے میں نہا گیا۔ قاسم کو یوں ہی پریشان چھوڑتے ہیں۔ اِس جیسے لالچی پر رحم کھانے کی کیا ضرورت؟

دوپہر کے قریب چور غار کو لوٹے۔ دُور ہی سے اُنھیں خچر نظر آ گئے جن پر صندوق لدے ہوے تھے۔ اُنھیں بڑا غصہ آیا اور غار کی طرف گھوڑے دوڑا کر بڑھے۔ گھوڑوں کو آتا دیکھ کر خچر بھاگے۔ قاسم نے اُنھیں باندھنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی تھی۔ وہ مزے سے گھاس چر رہے تھے اور بوکھلا کر اِدھر اُدھر جنگل میں غائب ہو گئے۔ چوروں نے اُن کا پیچھا نہ کیا۔ اُن کے لیے زیادہ اہم یہ معلوم کرنا تھا کہ خچروں کا مالک کون ہے۔ بعض چور تو آس پاس مالک کو ڈھونڈنے نکل گئے۔ سردار، باقی چوروں کو ساتھ لیے، تلوار نکال کر، دروازے پر آیا۔ اُس نے ''کھل جا سم سم'' کہا اور دروازہ کھل گیا۔

قاسم نے غار میں گھوڑوں کی ٹاپوں کا شور سن لیا تھا۔ چوروں کے بولنے چالنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ وہ سمجھ گیا کہ اب جان بچنی مشکل ہے۔ اُس نے سوچا کہ دروازہ کھلتے ہی بھاگ پڑوں گا۔ چاروں طرف جنگل ہے۔ کہیں چھپ جاؤں تو شاید چوروں کے ہاتھ نہ آؤں۔ دروازہ کھلتے ہی وہ زور سے دوڑا اور ٹکر مار کر سردار کو گرا دیا۔ لیکن چور بہت تھے اور سب کے پاس تلواریں تھیں۔ اُنھوں نے جھٹ پٹ قاسم کو دبوچ لیا اور مار ڈالا۔

قاسم کو قتل کرنے کے بعد سردار اور چور غار میں داخل ہوے اور دیکھا کہ دروازے کے پاس بوریوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ بوریاں اُنھوں نے جلدی سے اٹھا کر واپس رکھیں۔ اِس ہلچل میں اُنھیں نظر نہ آیا کہ خزانے کا کچھ حصہ غائب ہے۔ علی بابا جو مال لے گیا تھا اُس کا اُنھیں پتا نہ چلا۔ وہ سوچنے لگے کہ جس آدمی کو اُنھوں نے مار ڈالا ہے وہ اندر کیسے آیا؟ اگر اُسے دروازہ کھولنے کا منتر آتا تھا تو وہ اندر کیوں پھنسا رہا؟ غار سے نکل کیوں نہ گیا؟ یہ معما اُن سے حل نہ ہو سکا۔ بعض چوروں نے

www.urduchannel.in

کہا کہ غار کی چھت میں جو روشن دان ہے یہ آدمی وہاں سے آیا ہوگا۔ لیکن باہر کی سیدھی چٹان پر چڑھنا اور کسی رستے کے بغیر روشن دان سے، جو بہت اونچائی پر تھا، اترنا ناممکن معلوم ہوا۔ یہ سوچ کر اُنھیں اطمینان ہوا کہ جس آدمی کو غار میں داخل ہونے کے طریقے کا علم تھا وہ مارا جا چکا اور اُن کے خزانے کو اب کسی طرح کا خطرہ نہیں۔ وہ کیسے جان سکتے تھے کہ ایک آدمی اور بھی ہے جسے دروازہ کھولنا اور بند کرنا آتا ہے۔ اُنھوں نے کبھی علی بابا کا نام بھی نہیں سنا تھا۔

چوروں نے فیصلہ کیا کہ اب اِس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ آدمی غار میں کیسے داخل ہوا تھا۔ وہ اِس کا کام تمام کر چکے تھے۔ اُنھوں نے قاسم کی لاش کے چار ٹکڑے کیے۔ دو ٹکڑے دروازے کے ایک طرف اور دو ٹکڑے دوسری طرف رکھ دیے تا کہ اگر کوئی دروازہ کھولے بھی تو ڈر کر بھاگ جائے۔ طے یہ پایا کہ وہ چند روز کے بعد واپس آئیں گے اور دروازہ بند کر کے معمول کے مطابق ڈاکے ڈالنے اور کاروانوں کو لوٹنے کے لیے نکل کھڑے ہوے۔

اُدھر قاسم کی بیوی نے جب دیکھا کہ رات ہو گئی ہے اور قاسم کا کچھ پتا نہیں تو ڈر کے مارے دل الٹ پلٹ ہونے لگا۔ گھبرائی ہوئی علی بابا کے پاس پہنچی اور بولی: ''بھائی تمھیں تو معلوم ہے قاسم کہاں گیا تھا اور کیا کرنا چاہتا تھا۔ وہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔ اب تو اندھیرا بھی چھا گیا ہے۔ ڈرتی ہوں کہ اُس کے ساتھ کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔''

علی بابا قاسم کی باتیں سن کر سمجھ چکا تھا کہ وہ خزانہ چُرانے سے باز نہیں رہے گا۔ اسی لیے وہ جنگل نہیں گیا تھا تا کہ قاسم بے فکر ہو کر جو جی چاہے کرے۔ اُس نے کوئی ایسی بات نہ کی جس سے قاسم کی بیوی کو دکھ پہنچتا بلکہ تسلّی دینے کے لیے کہا کہ ''گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ممکن ہے قاسم نے سوچا ہو کہ رات کو دیر میں گھر لوٹنا ٹھیک رہے گا۔''

یہ بات قاسم کی بیوی کے دل کو لگی کیونکہ قاسم جس غرض سے روانہ ہوا تھا اُسے

شہر والوں سے چھپانا نہایت ضروری تھا۔ وہ تھوڑی بہت مطمئن ہو کر گھر چلی گئی۔ لیکن جب آدھی رات ہونے کو آئی تو اُس کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ مشکل یہ آ پڑی کہ وہ زور زور سے رو دھو کر دل کا بوجھ ہلکا نہیں کر سکتی تھی کہ اِس صورت میں پڑوس میں بسنے والے، کیا عورت کیا مرد، اُس کے رونے دھونے کی وجہ معلوم کرنے کے لیے جمع ہو جاتے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو خزانے کی کوئی خبر ملے۔ وہ دل ہی دل میں پچھتائی کہ علی بابا اور اُس کی بیوی کا راز جاننے کی کیوں کوشش کی اور یہ مصیبت مول لی۔ وہ رات بھر آنسو بہاتی رہی اور صبح ہوتے ہی علی بابا کے گھر جا پہنچی۔ اُس کی رونی صورت دیکھ کر علی بابا اور اُس کی بیوی دونوں سمجھ گئے کہ قاسم واپس نہیں آیا۔

علی بابا ہمیشہ دوسروں کا دکھ بٹانے کے لیے تیار رہتا تھا۔ اُس نے تینوں گدھے ساتھ لے کر جنگل کا رخ کیا۔ راستے میں قاسم اور اُس کے خچر کہیں نظر نہ آئے۔ جب غار کے دروازے کے پاس پہنچا تو وہاں بہت سا خون پڑا تھا۔ علی بابا نے سوچا کہ آثار اچھے نہیں۔ دروازے کے آگے کھڑے ہو کر اُس نے ''کھل جا سم سم'' کہا۔ دروازہ کھلتے ہی نظر آیا کہ قاسم کی لاش چار ٹکڑوں میں کٹی پڑی ہے۔ آخری ملاقات میں قاسم نے علی بابا سے بدتمیزی سے بات کی تھی اور ڈرانے دھمکانے پر اتر آیا تھا۔ تاہم علی بابا کو بھائی کے مرنے کا رنج ہوا اور اُس نے فیصلہ کیا کہ قاسم کی لاش کو شہر لے جا کر اچھے طریقے سے دفنائے گا۔ کپڑوں کی پوٹلیاں سی بنا کر لاش کے دو ٹکڑے گدھے کی ایک طرف اور باقی دو ٹکڑے دوسری طرف لاد دے اور اُنھیں چھپانے کے لیے اوپر لکڑیاں ڈال دیں۔ پھر وقت ضائع کیے بغیر اُس نے دوسرے تیسرے گدھے پر اشرفیوں کی مزید بوریاں رکھیں اور اُنھیں بھی لکڑیوں سے ڈھک دیا۔ دروازے کو بند ہونے کا حکم دے کر علی بابا وہاں سے چل پڑا لیکن جہاں جنگل ختم ہوتا تھا وہاں رکا رہا تا کہ شہر میں اُس وقت داخل ہو جب اندھیرا پھیل جائے۔ گھر پہنچ کر اُس نے اشرفیوں کی بوریوں سے لدے گدھے بیوی کے حوالے کیے، یہ بتایا کہ قاسم قتل ہو چکا ہے اور اِس کے بعد تیسرے گدھے کو ہانکتا ہوا قاسم کے گھر چلا گیا۔

www.urduchannel.in

دروازے پر دستک دی تو کواڑ مرجینہ نے کھولے۔ مرجینہ تھی تو قاسم کی باندی مگر علی بابا کو معلوم تھا کہ وہ غضب کی ذہین ہے، ایسی کہ اُڑتی چڑیا کے پر گن لے۔ بڑی سے بڑی مشکل کا حل بھی آسانی سے تلاش کر لیتی تھی۔ علی بابا نے گھر کے صحن میں پہنچ کر لکڑیاں تو ایک طرف پھینکیں اور مرجینہ کو بلا کر کہنے لگا: ''میں تمھیں ایسی بات بتانے والا ہوں جو ہرگز کسی پر ظاہر نہ ہونی چاہیے۔ میری، تمھاری اور تمھاری مالکن کی خیر اسی میں ہے۔ ان دو پوٹلیوں میں تمھارے آقا کی لاش ہے۔ اسے اس طرح دفنانا ضروری ہے کہ لوگ سمجھیں وہ اچانک بیمار ہو کر مر گیا ہے۔ اب میں تمھاری مالکن سے جو بات کروں گا اُسے خوب غور سے سننا۔''

مرجینہ نے جا کر قاسم کی بیوی کو بتایا کہ علی بابا آیا ہے۔ وہ دوڑی ہوئی آئی اور علی بابا کو دیکھتے ہی بولی: ''تم اپنے بھائی کی کیا خبر لائے ہو؟ تمھارا چہرہ دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ وہی کچھ ہو کر رہا جس کا ڈر تھا۔'' علی بابا نے کہا: ''پہلے وعدہ کرو کہ تم بیچ میں نہیں بولو گی اور میری بات شروع سے آخر تک غور سے سنو گی۔ تم سے وعدہ لیے بغیر میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ ہم دونوں کے لیے یہ برابر کی اہمیت رکھتا ہے کہ جو کچھ ہوا اس کا کسی کو قطعی پتا نہ چلے۔ یہی تمھارے حق میں اچھا ہوگا اور تمھیں صبر بھی آجائے گا۔'' قاسم کی بیوی نے آہستہ سے کہا: ''تم مجھے بتانے آئے ہو کہ میرا شوہر مر چکا اور میں دل تھامے رکھوں۔ میں سمجھ گئی کہ تم اس معاملے کو چھپانا کیوں چاہتے ہو۔ جو کہنا ہے، کہو۔ میں سن رہی ہوں۔''

علی بابا نے پہلے اُسے بتایا کہ وہ غار تک گیا جہاں اُسے قاسم کی لاش ملی۔ اُس نے مزید کہا: ''جو ہوا سو ہوا۔ قاسم کا قصہ تو ختم ہو چکا میں جو اب کہنے لگا ہوں وہ شاید تمھیں اچھا نہ لگے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے شادی کر لو۔ اس کی ہمارے مذہب میں اجازت ہے۔ تمھارے پاس بھی خاصی دولت ہے اور میں بھی بہت امیر ہو گیا ہوں۔ تمھاری باقی زندگی بہت آرام سے گزرے گی۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ میری بیوی تم سے حسد نہیں کرے گی اور تم دونوں ہنسی خوشی رہ لو گی۔ اگر میری

تجویز تمھیں قبول ہو تو ہمیں اب کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے جس سے یہ لگے کہ قاسم بیمار ہو کر مرا ہے۔ اس معاملے میں مرجینہ ہمارے بہت کام آئے گی۔ جو مجھ سے بن پڑے گا وہ میں کروں گا۔''

قاسم کی بیوہ کو علی بابا کی تجویز پسند آئی اور پسند کیوں نہ آتی، وہ پہلے ہی مال دار عورت تھی اور اب اُسے ایسا شوہر ملنے والا تھا جو بہت امیر ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ اتنا بڑا خزانہ ہاتھ آنے کی امید بھی تھی۔ اُس نے ٹال مٹول کرنے کی بجائے رونا دھونا بند کر دیا۔ علی بابا سمجھ گیا کہ وہ شادی کرنے پر راضی ہے اور اُس نے مرجینہ سے کہا کہ کوئی تدبیر کرے تا کہ محلّے والوں کو قاسم کے قتل ہونے کا پتا نہ چلے۔ یہ مشورہ دے کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔

مرجینہ اُسی وقت ایک دوا فروش کی دکان پر گئی اور ایسی دوا طلب کی جو بہت زیادہ بیمار آدمیوں کو دی جاتی تھی۔ دوا فروش نے پوچھا کہ کون بیمار ہے تو مرجینہ نے جھوٹ موٹ کے آنسو بہا کر کہا: ''میرے آقا کی طبیعت اچانک بگڑ گئی ہے۔ کھانے پینے کا کیا ذکر ہے، اُن سے تو بولا بھی نہیں جا رہا۔'' وہ دوا لے کر گھر چلی آئی اور صبح اٹھتے ہی دوبارہ دوا فروش کے پاس گئی اور ایسا عرق مانگا جو اُس وقت مریض کو پلایا جاتا ہے جب اُس کے بچنے کی امید نہ رہی ہو۔ مرتے وقت جو تکلیف ہوتی ہے وہ اُس عرق سے کم ہو جاتی تھی۔ مرجینہ کہنے لگی: ''اس عرق سے بھی شاید کچھ فائدہ نہ ہو۔ افسوس کہ میرا نیک آقا ہم سے جدا ہونے والا ہے۔''

علی بابا اور اُس کی بیوی بھی دن بھر قاسم کے گھر کے چکر لگاتے رہے۔ اُنھوں نے صورت ایسی بنائے رکھی جیسے بے حد غم زدہ اور پریشان ہوں۔ اس لیے جب شام ہوتے ہی قاسم کی بیوہ اور مرجینہ کے زور زور سے رونے دھونے کی آوازیں بلند ہوئیں تو پڑوسیوں کو تعجب نہیں ہوا۔ وہ یہی سمجھے کہ قاسم بیمار ہو کر مر گیا۔ مرجینہ نے بھی سب کو یہی بتایا۔

اگلے دن مرجینہ صبح صبح ایک بوڑھے موچی کے پاس پہنچی جسے عادت تھی کہ

www.urduchannel.in

سب لوگوں سے پہلے آکر اپنے اڈّے پر بیٹھ جاتا تھا۔ مرجینہ اُس سے واقف تھی اور دعا سلام کے بعد اُس نے ایک اشرفی موچی کے ہاتھ پر رکھ دی۔ موچی، جس کا نام بابا مصطفیٰ تھا، خوش مزاج آدمی تھا۔ اشرفی دیکھ کر ہنسا اور کہنے لگا: ''آج تو اچھی بوہنی ہوئی۔ سورج جیسی چمکتی اشرفی ہاتھ آئی۔ اس کے بدلے میں مجھے کیا کرنا ہے؟''

مرجینہ نے کہا: ''بابا جی، اپنے سارے اوزار لے کر میرے ساتھ چلو۔ لیکن یہ تمھیں پہلے سے بتا دوں کہ ایک جگہ پہنچنے کے بعد تمھاری آنکھوں پر پٹّی باندھ دوں گی۔''

یہ سن کر بابا مصطفیٰ ذرا سٹپٹایا اور بولا: ''تم مجھ سے کوئی غلط کام لینا چاہتی ہو جو میری بدنامی کا باعث ہوگا۔ میرا ضمیر یہ گوارا نہیں کر سکتا۔'' مرجینہ نے جواب دیا: ''خدا نہ کرے میں تمھیں کسی غلط کام کے لیے تکلیف دوں۔'' اُس نے ایک اور اشرفی بابا مصطفیٰ کے حوالے کی اور بولی: ''تمھیں بدنام کرنا مجھے منظور نہیں۔ ڈرو مت، میرے ساتھ چلے چلو۔''

بابا مصطفیٰ مرجینہ کے ساتھ ہو لیا۔ جیسا کہ مرجینہ نے کہا تھا ایک خاص جگہ پہنچ کر اُس نے بابا مصطفیٰ کی آنکھوں پر کس کر پٹّی باندھ دی، ہاتھ پکڑ کر لے چلی اور پٹّی اُس وقت تک نہ کھولی جب تک دونوں اُس کمرے میں نہ پہنچ گئے جہاں قاسم کی لاش پڑی تھی۔ مرجینہ نے کہا: ''بابا جی، اب ذرا پھرتی دکھاؤ۔ لاش کے چار ٹکڑوں کو سی دو۔ کام ختم کر لو گے تو تمھیں ایک اشرفی اور ملے گی۔''

بابا مصطفیٰ نے کام نمٹانے میں دیر نہ لگائی اور جب وہ فارغ ہو گیا تو مرجینہ نے اُسے اشرفی دے کر دوبارہ آنکھوں پر پٹّی باندھ دی اور واپس اسی جگہ پہنچ کر، جہاں آتے وقت پٹّی باندھی تھی، پٹّی کھولی اور کہا کہ ''اب اپنے اڈّے پر چلے جاؤ۔'' بابا مصطفیٰ کے جانے کے بعد بھی مرجینہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ اُسے خطرہ تھا کہ بابا مصطفیٰ یہ معما حل کرنے کے لیے اُس کا پیچھا نہ کرنے لگے۔ جب مرجینہ کو اطمینان ہو گیا کہ بابا مصطفیٰ دُور نکل گیا ہے تب وہ اُس جگہ سے ٹلی۔

www.urduchannel.in

گھر جا کر مرجینہ نے میت کو نہلانے کے لیے پانی گرم کیا۔ اتنی دیر میں علی بابا بھی کفن لے کر آ پہنچا۔ اُنھوں نے قاسم کی لاش کو نہلا دھلا کر کفن پہنا دیا۔ علی بابا ایک بڑھئی کو تابوت بنانے کا کہہ آیا تھا۔ مرجینہ اور علی بابا نے بڑھئی کو اندر نہ آنے دیا۔ تابوت اٹھا کر خود ہی گھر میں لے آئے اور قاسم کی لاش کو اِس میں لٹا دیا۔ تابوت میں کیلیں ٹھونک کر مرجینہ مسجد کے امام کے پاس گئی اور کہا کہ جنازہ تیار ہے۔

جو لوگ مُردوں کو غسل دینے کا کام کرتے تھے اُن سے کہا کہ اِن کی ضرورت نہیں رہی۔ مُردے کو نہلایا جا چکا ہے۔

مرجینہ کے گھر لوٹتے لوٹتے امام مسجد اور دوسرے لوگ آ کر جمع ہو گئے۔ وہ جنازہ اٹھا کر امام مسجد کے ساتھ چلے، نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ پھر اُنھوں نے قبرستان کی راہ لی۔ بہت سے پڑوسی اور علی بابا جنازے کو کندھا دینے کے لیے ساتھ تھے۔ مرجینہ بھی روتی پیٹتی اور بال نوچتی قبرستان تک گئی۔ قاسم کی بیوہ کے پاس، جو گھر پر تھی، پڑوسنوں اور جاننے والیوں کا مجمع لگ گیا۔ وہ ماتم کرتی اور بیوہ کی ڈھارس بندھاتی رہیں۔

یوں علی بابا اور اُس کی بیوی، قاسم کی بیوہ اور مرجینہ نے قاسم کے قتل ہونے کی کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔ تین چار دن بعد علی بابا اپنے گھر کا سارا سامان اٹھا کر قاسم کے گھر لے گیا۔ رات کے اندھیرے میں چُپکے چُپکے چوروں کے غار سے لُوٹی اشرفیاں بھی قاسم کے گھر پہنچا دیں۔ وقت آنے پر اُس نے قاسم کی بیوہ سے شادی کر لی۔ علی بابا کا بڑا بیٹا تجارت کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے ایک امیر سوداگر کا شاگرد بنا ہوا تھا۔ علی بابا نے اُسے قاسم کی دکان پر لا بٹھایا اور کہا کہ ”اگر تم نے سلیقے سے دکان چلائی تو تمھیں بڑا انعام دوں گا اور کسی اچھے گھر میں تمھاری شادی کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔“ اب علی بابا کو، جس کے لیے دن عید اور رات شب برات ہو گئی تھی، یہاں چھوڑتے ہیں اور چوروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اُن پر کیا گزری۔

چور چند روز کے بعد واپس آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ لاش غائب ہے۔ یہی نہیں، اُن کے خزانے میں بھی کمی آ گئی تھی۔ سردار نے کہا: ”دیکھو جی، ہمارا راز کسی کو معلوم ہو گیا ہے۔ اگر ہم نے اُس آدمی کو، سُراغ لگا کر، مار نہ ڈالا تو یہ خزانہ، جو ہمارے باپ دادا اور ہم نے اتنی مشکل سے اور اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر اکٹھا کیا ہے، ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ پہلے تو ہم سمجھے تھے کہ جس شخص کو

www.urduchannel.in

دروازہ کھولنے کا راز معلوم ہے، اُسے پکڑ کر مار ڈالا ہے اور کوئی خطرہ نہیں رہا۔ لیکن آج ہمیں پتا چلا کہ لاش بھی غائب ہے اور خزانے کا کچھ حصہ بھی چُرایا جا چکا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جس آدمی کو ہم نے قتل کیا وہ اکیلا نہ تھا۔ کوئی آدمی اور بھی موجود ہے جسے غار کا دروازہ کھولنے اور بند کرنے کا منتر معلوم ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر اُسے تلاش کرنا چاہیے۔ تمھاری کیا رائے ہے، یارو؟''

باقی چوروں نے جوش و خروش سے سردار کی ہاں میں ہاں ملائی اور کہنے لگے: ''آپ نے جو کہا وہ سو فیصد درست ہے۔ ہم اپنے باقی کام چھوڑ کر سب سے پہلے اُس آدمی کو تلاش کرتے ہیں جس نے ہمیں نقصان پہنچایا ہے۔ کامیاب ہونے تک ہم یہاں سے ٹلنے کا نام نہیں لیں گے۔''

سردار نے کہا: ''میرے شیر جوانو، تم سے مجھے اسی جواب کی توقع تھی۔ اب ہم میں سے کوئی، جو بہادر بھی ہو اور چالاک بھی، مسافر کے بھیس میں، اجنبی بن کر، شہر جائے اور پتا چلائے کہ وہ کون آدمی تھا جو چند روز پہلے قتل ہوا اور وہ کہاں رہتا تھا۔ قتل چھپا نہیں رہ سکتا۔ شہر والوں کو ضرور اِس کا علم ہوگا۔ یہ کام بڑا اہم ہے اور احتیاط کی بھی خاص ضرورت ہے۔ ہمیں یہاں رہتے ہوئے ایک مدت ہوگئی اور کسی کو ہماری خبر نہیں۔ ہماری موجودگی کو آیندہ بھی راز رہنا چاہیے۔ لیکن جو ساتھی بھی شہر جائے اُس پر لازم ہے کہ دھوکا نہ کھائے اور آکر ہمیں غلط اطلاع بھی نہ دے کیونکہ اُس کی بے وقوفی سے ہم پر مصیبت آسکتی ہے۔ میری رائے ہے کہ جو آدمی بھی شہر جائے اور غلطی کر بیٹھے اُس کا سر تن سے جدا کر دینا چاہیے۔ تم کیا کہتے ہو؟''

سردار کی بات سے سب نے اتفاق کیا۔ ایک چور اٹھا اور بولا: ''مجھے شرط قبول ہے۔ میں اِس کام کا بیڑا اٹھاتا ہوں۔ مجھ میں جرأت کی کمی نہیں۔ تم سب کی خیر چاہتا ہوں۔ اگر ناکام لوٹا تو اپنی گردن کٹانے کو تیار ہوں۔''

اُس کی بات سن کر چوروں نے خوب واہ واہ کی اور سردار نے بھی اُس کی ہمت کو سراہا۔ چور نے اپنا حُلیہ تبدیل کیا اور مسافر کا بھیس بدل کر شہر کی راہ لی۔ صبح ہوتے

ہی شہر کے بازاروں اور گلی کُوچوں میں گھومنے لگا۔ اتفاق سے اُس کا گزر اُس جگہ سے ہوا جہاں بابا مصطفٰے کا اڈّا تھا۔ پہلے ذکر آچکا کہ بابا صبح سویرے اپنے اڈّے پر آکر بیٹھ جاتا تھا۔ بابا مصطفٰے سینے کا سُوا ہاتھ میں لے کر کام شروع ہی کیا چاہتا تھا کہ چور اُس کے پاس آکے رکا اور کہنے لگا: ''بابا جی، سلام! تم اتنے سویرے سویرے کام سے لگ گئے۔ بوڑھے ہو چکے ہو۔ اِس وقت تمھیں ٹھیک طرح دکھائی کہاں دیتا ہوگا۔ اگر روشنی ذرا زیادہ بھی ہو تو بھی تم آسانی سے سینے یا ٹانکا لگانے کا کام نہ کر سکو گے۔''

بابا مصطفٰے نے جواب دیا: ''اِس میں شک نہیں کہ تم شہر میں نئے نئے آئے ہو اور مجھے نہیں جانتے۔ میں بوڑھا سہی لیکن میری بینائی اتنی تیز ہے کہ کیا کہوں۔ شاید تمھیں یقین نہ آئے، تھوڑے دن پہلے میں نے ایک جگہ چار ٹکڑوں میں کٹی لاش کو سی کر صحیح کیا۔ وہاں اتنی بھی روشنی نہیں تھی جتنی اِس وقت یہاں ہے۔''

یہ سن کر چور خوشی سے اُچھل ہی پڑا۔ سوچا کہ لو، شہر میں آتے ہی پہلا آدمی جو ملا اُس کی زبانی ساری خبر معلوم ہوگئی۔ پوچھ گچھ کرنے کی نوبت بھی نہ آئی۔ چور نے جھوٹ موٹ حیرت ظاہر کرتے ہوئے پوچھا: ''لاش کو سیا؟ ارے یہ کیا کہہ رہے ہو! بابا، تم نے کفن سیا ہوگا۔'' بابا مصطفٰے نے جواب دیا: ''نہیں، مجھے معلوم ہے میں نے کیا کیا تھا۔ اگر مجھ سے کچھ اور اُگلوانا چاہتے ہو تو ناکام رہو گے۔ اِس سے آگے میں تمھیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

چور جان گیا تھا کہ اِس کا مقصد پورا ہو چکا۔ اُس نے جیب سے ایک اشرفی نکال کر مصطفٰے کو دی اور بولا: ''میں تمھارا راز جاننا چاہتا بھی نہیں۔ ویسے اتنا بتائے دیتا ہوں کہ اگر تم راز سے پردہ اٹھا دو تو بات ہم دونوں تک ہی رہے گی۔ کسی تیسرے کے کان تک نہیں پہنچے گی۔ خیر، ابھی میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم چل کر مجھے وہ گھر دکھا دو جہاں تم نے لاش کو سیا تھا۔''

بابا مصطفٰے نے اشرفی چور کو لوٹاتے ہوئے کہا: ''میں تمھاری مدد کرنے کو تیار

ہوں لیکن کر نہیں سکتا۔ اصل بات سن کر تمھیں یقین آجائے گا کہ میں اِس گھر کا نشان نہیں دے سکوں گا۔ ایک جگہ لے جا کر میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ گھر کے اندر پٹی کھولی گئی اور کام ختم ہونے کے بعد دوبارہ پٹی باندھ کر وہیں پہنچا دیا گیا جہاں جاتے وقت پٹی باندھی تھی۔ تم خود سوچو کہ اِس گھر کا پتا کیسے دوں؟''

چور کہنے لگا: ''اِس راستے کا تمھیں تھوڑا بہت اندازہ تو ہوگا جو تم نے پٹی بندھے بندھے طے کیا۔ چلو، اسی جگہ پہنچ کر میں تمھاری آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہوں۔ شاید تمھیں یاد آجائے کہ کس طرف گئے تھے اور کہاں کہاں مڑے تھے۔ چونکہ ہر آدمی کو کام کی مزدوری ملنی چاہیے اس لیے تمھیں ایک اشرفی اور دیتا ہوں۔ مجھے کسی طرح بس وہ گھر دکھا دو۔''

اشرفیاں دیکھ کر بابا مصطفیٰ کے دل میں لالچ آگیا۔ بڑی دیر تک انھیں ہاتھ میں لے کر غور کرتا رہا کہ کیا کرنا چاہیے۔ آخر اُس نے بٹوا نکالا اور اشرفیاں بٹوے میں ڈال کر کہنے لگا: ''میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا کہ راستہ مجھے ٹھیک ٹھیک یاد ہے۔ خیر، چونکہ تم ضد کر رہے ہو کہ گھر ڈھونڈنے میں تمھاری مدد کروں، اس لیے اپنی سی کوشش کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے اڈّے سے اٹھ کھڑا ہوا اور چور کے ساتھ چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ اُس مقام پر پہنچ گئے جہاں مرجینہ نے بابا مصطفیٰ کی آنکھوں پر پٹی باندھی تھی۔ بابا مصطفیٰ نے چور سے کہا: ''یہ ہے وہ جگہ جہاں میری آنکھوں پر پٹی باندھی گئی تھی اور یہاں سے میں اُس طرف مڑا تھا۔'' چور نے بابا مصطفیٰ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور دونوں چلتے گئے۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر بابا مصطفیٰ رک گیا اور بولا: ''میرا خیال ہے میں یہاں سے آگے نہیں گیا تھا۔'' اُس کا اندازہ درست تھا کیونکہ وہ ٹھیک قاسم کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔

چور نے پٹی کھولنے سے پہلے جیب میں سے چاک نکال کر دروازے پر نشان لگا دیا۔ اِس کے بعد پٹی کھولی اور پوچھا: ''تمھیں معلوم ہے یہاں کون رہتا ہے؟'' بابا مصطفیٰ نے جواب دیا: ''میں اِس محلّے کا رہنے والا نہیں۔ مجھے کیا پتا یہ کس کا گھر

ہے۔''

چور سمجھ گیا کہ بابا مصطفیٰ سے مزید کوئی بات معلوم نہیں ہو سکتی۔ اُس نے بابا مصطفیٰ کو، شکریہ ادا کر کے، رخصت کر دیا اور بغلیں بجاتا ہوا جنگل کی طرف لپکا۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ اُڑ کر ساتھیوں کے پاس پہنچ جائے۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کی کامیابی پر تمام ساتھی خوشی سے ناچنے لگیں گے۔

چور اور بابا مصطفیٰ کو قاسم کے گھر کے پاس سے روانہ ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ مرجینہ کسی کام سے باہر نکلی۔ جب واپس آئی تو اُس کی نظر اُس نشان پر پڑی جو چور نے دروازے پر لگایا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑی غور سے نشان کو دیکھتی رہی۔ اُس نے دل میں کہا: ''یہ نشان وجہ کے بغیر نہیں لگایا گیا۔ یا تو کوئی شخص میرے آقا، علی بابا، کا بُرا چاہتا ہے یا یہ کسی لڑکے بالے کی شرارت ہے۔ جو بھی سہی، عقل مندی کا تقاضا ہے کہ اِس حرکت کا توڑ کیا جائے۔'' چنانچہ وہ جا کر چاک لے آئی اور آس پاس جتنے بھی مکان تھے اُن سب کے دروازوں پر بالکل ویسے ہی نشان لگا دیے۔ لیکن اِس بارے میں علی بابا سے ایک لفظ بھی نہ کہا۔

اُدھر چور اپنے ساتھیوں سے جا ملا اور شیخی بگھارنے لگا کہ کس طرح شہر جاتے ہی اُس آدمی کے گھر کو ڈھونڈ لیا جو اُن کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ جی ہی جی میں کہتا تھا: ''واہ رے میں! جاسوس ہو تو مجھ جیسا۔'' ساتھیوں کے چہرے خوشی سے کِھل اٹھے۔ سردار نے چور کی ذہانت اور کمال کی تعریف کی۔ پھر وہ چور ساتھیوں سے مخاطب ہوا: ''دوستو، اب وقت ضائع نہ کرنا چاہیے۔ ہم سب مُسلّح ہو کر شہر چلتے ہیں۔ لیکن ہم ایک ساتھ شہر میں داخل ہوئے تو لوگوں کو ہم پر شک گزرے گا۔ بہتر یہ ہے کہ دو دو تین تین مل کر شہر میں داخل ہوں اور بڑے چوک میں جمع ہو جائیں۔ میں اتنی دیر میں اُس ساتھی کو، جس نے گھر ڈھونڈ لیا ہے، لے کر موقع کا معائنہ کرتے جاتا ہوں۔ اِس کے بعد ہم فیصلہ کریں گے کہ کیا کارروائی مناسب ہوگی۔''

اس منصوبے کو سب نے پسند کیا اور وہ دو دو تین تین کی ٹولیوں میں بٹ کر شہر

www.urduchannel.in

کی طرف روانہ ہو گئے۔ سردار نے اُس چور کو ساتھ لیا جس نے گھر کا سُراغ لگایا تھا۔ اُس گلی میں پہنچ کر، جہاں علی بابا رہتا تھا، چور نے خوش ہو کر دروازے پر چاک کے نشان کی طرف اشارہ کیا۔ سردار نے جگہ کو اچھی طرح یاد رکھنے کی غرض سے اِدھر اُدھر نظر ڈالی تو پتا چلا کہ کئی اور دروازوں پر بھی اسی طرح کے نشان لگے ہوئے ہیں۔ اُس نے چور سے پوچھا: ”یہ نشان کئی مکانوں کے دروازوں پر لگے ہوئے ہیں۔ تم کون سے مکان کے دروازے پر نشان لگا کر گئے تھے؟“ یہ سن کر چور بالکل بوکھلا گیا۔ اُسے یاد ہی نہ آسکا کہ اصل میں کس دروازے پر نشان لگایا تھا۔ اُس نے قسم کھا کر سردار سے کہا: ”میں ایک ہی دروازے کو نشان زد کر کے گیا تھا۔ معلوم نہیں دوسرے دروازوں پر کس نے نشان لگا دیے۔“ غرض اُس کی عقل جواب دے گئی اور مکان کا سُراغ نہ ملا۔

سردار کو ہار ماننی پڑی۔ اُس کا منصوبہ بُری طرح ناکام ہو گیا تھا۔ اُس نے چوک میں جا کر باقی چوروں سے کہا: ”بات بگڑ گئی ہے۔ شہر میں ٹھیرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اپنے ٹھکانے پر واپس چلتے ہیں۔“

غار میں پہنچ کر سردار نے چوروں کو سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ ”ہمارے ساتھی کی حماقت سے ہمیں ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔“ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ”جس سے غلطی ہوئی اُسے موت کی سزا ملنی چاہیے۔“ چور نے، جو قول کا سچا تھا، چپ چاپ سر جھکا دیا۔ اُس کی گردن اُڑا دی گئی۔

یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ چور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے۔ خزانے کے چھن جانے کا خوف اُنھیں چین کا سانس کب لینے دیتا تھا۔ اگلے دن ایک اور چور اٹھا جو خود کو بڑا چالاک سمجھتا تھا۔ کہنے لگا: ”اب میں شہر جاتا ہوں۔ ہرگز وہ غلطی نہ دہراؤں گا جو میرے ساتھی نے کی تھی۔ تم دیکھنا، میں چٹکی بجاتے ہی صحیح جگہ ڈھونڈ لوں گا۔“

وہ روانہ ہوا اور شہر میں سب سے پہلے بابا مصطفیٰ سے ملا اور پہلے چور کی طرح

اُسے اشرفیاں دے دلا کر راستہ دکھانے والا بنا کر، علی بابا کے مکان تک جا پہنچا۔ اُس نے لال رنگ کے چاک سے دروازے پر ایسی جگہ نشان لگا دیا جہاں آسانی سے نظر نہ جا سکتی تھی۔

اتفاق سے ذرا دیر بعد مرجینہ کسی کام سے باہر نکلی۔ جب واپس آئی تو اُس نے لال چاک کے نشان کو دیکھ لیا۔ وہ اِس قدر کائیاں تھی کہ کوئی شے اُس کی نظر سے چھپی نہ رہ سکتی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ نشان پچھلے نشان سے مختلف نہیں اور کسی غلط مقصد کے لیے لگایا گیا ہے۔ اُس نے لال چاک لے کر اسی قسم کے نشان آس پاس کے مکانوں کے دروازوں پر لگا دیے۔

چور نے غار میں جا کر ساتھیوں کو بتایا: ''میں بڑی احتیاط سے لال نشان لگا کر آیا ہوں اور وہ بھی ایسی جگہ جہاں آسانی سے نظر نہیں جا سکتی۔ اِس دفعہ ہم میدان مار لیں گے۔'' چوروں اور سردار کو بھی یقین آ گیا کہ کام سنور گیا ہے اور وہ اُس آدمی کو آخر ٹھکانے لگا دیں گے جو اُن کے راز سے واقف ہو چکا تھا۔ وہ پہلے کی طرح ٹولیوں میں بٹ کر شہر پہنچے۔ جب سردار دوسرے چور کے ساتھ وہاں گیا جہاں علی بابا رہتا تھا تو اِس دفعہ بھی کئی مکانوں کے دروازوں پر ایک جیسے نشان لگے ہوئے تھے۔ دونوں چکرا کر رہ گئے اور ناکام لوٹے۔ سردار اور باقی چور غصے کے مارے آپے سے باہر ہوئے جا رہے تھے۔ دوسرے چور کو بھی نہ بخشا گیا۔ اُس کا بھی سر کٹا۔

سردار سوچ میں پڑ گیا۔ وہ دو بہادر ساتھیوں سے محروم ہو چکا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُن کی تعداد روز بروز کم ہوتی جائے۔ اُسے یہ احساس بھی تھا کہ اُس کے ساتھی بہادر ضرور تھے لیکن اُن میں عقل کی کمی تھی۔ اُس نے ساتھیوں سے کہا: ''تم یہیں ٹھیرو۔ میں خود جا کر کوئی بندوبست کرتا ہوں۔''

شہر جا کر اُس نے بابا مصطفےٰ کی مدد سے علی بابا کے گھر کا پتا لگا لیا۔ اُس نے دروازے پر نشان لگانے کی کوشش نہ کی بلکہ خاصی دیر گلی میں رکا رہا تاکہ مکان کو اچھی طرح پہچان لے۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ مکان ڈھونڈنے میں غلطی نہیں

کرے گا تو واپس ہوا اور چوروں سے کہنے لگا: ''اِس مرتبہ کوئی شے ہمیں انتقام لینے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ مکان کو اتنے غور سے دیکھ آیا ہوں کہ مجال ہے جو پہچاننے میں غلطی کھاؤں۔ راستے میں مجھے عیاری بھی غضب کی سوجھ گئی ہے۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ کیا کرنا ہے۔ ہاں، کسی کے پاس اِس سے بہتر منصوبہ ہو تو سامنے لائے۔''
اِس کے بعد اُس نے بدلہ لینے کی تدبیر بیان کی جو سب کو عُمدہ معلوم ہوئی۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد سردار نے حکم دیا کہ وہ آس پاس کے قصبوں اور گاؤں میں نکل جائیں اور انیس خچر اور اڑتیس بڑے بڑے مٹکے خرید لائیں۔ ایک مٹکے میں کڑوا تیل بھرا ہو۔

دو تین دن میں چور خچر اور مٹکے خرید لائے۔ سردار نے سینتیس مٹکوں میں چوروں کو چُھریاں اور خنجر دے کر بٹھا دیا۔ مٹکوں کے منھ پر جو کپڑے باندھے اُن میں ذرا ذرا سے چھید کر دیے تا کہ چور آسانی سے سانس لے سکیں۔ مٹکوں کے باہر تیل مل دیا۔ خود سوداگر کا بھیس بدلا اور کپڑوں پر کہیں کہیں تیل کے چھینٹے ڈال لیے۔ جنگل سے ایسے وقت خچروں کو لے کر روانہ ہوا کہ شہر میں قدم رکھنے تک شام ہو جائے۔ یہ بات بھی اُس کے منصوبے کا حصہ تھی۔ گلیوں میں گھومتا گھامتا وہ خچروں سمیت علی بابا کے گھر کے سامنے جا پہنچا۔ اُس کا ارادہ دروازے پر دستک دینے کا تھا۔ لیکن اِس کی نوبت نہ آئی۔ علی بابا ہوا کھانے کی غرض سے دروازے کے باہر بیٹھا تھا۔ سردار نے خچر روک لیے اور بڑی عاجزی سے بولا: ''میاں صاحب، میں بڑی دُور سے تیل لے کر آیا ہوں۔ کل منڈی میں بیچوں گا۔ اندھیرا ہو گیا ہے۔ شہر میرے لیے ان جانا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا، رات کہاں بسر کروں۔ اگر آپ مہربانی کریں اور اجازت دیں تو یہ خچر، جن پر تیل کے مٹکے لدے ہیں، آپ کے گھر میں باندھ دوں۔ کسی کونے میں پڑ کر سو جاؤں گا۔''
اگرچہ علی بابا چوروں کے سردار کو دیکھ بھی چکا تھا اور اُس کی آواز بھی سن چکا تھا لیکن ایک تو شام کا اندھیرا، دوسرے حُلیہ بدلا ہوا۔ وہ اُسے پہچان نہ سکا۔ کہنے لگا:

''یہ کون سی بڑی بات ہے۔ میرے گھر کو اپنا گھر سمجھیے۔'' یہ کہہ کر اُس نے دروازہ کھول دیا۔ خچر آنگن میں چلے گئے۔ علی بابا نے اپنے ملازم کو، جس کا نام عبداللہ تھا، بلایا اور کہا کہ جب خچروں پر سے مٹکے اتارے جا چکیں تو اُنھیں اصطبل لے جائے اور چارے پانی کا انتظام کرے۔ پھر مرجینہ سے کہا: ''ایک مہمان آ گیا ہے۔ اُس کے لیے کھانا تیار کرو اور فلاں کمرے میں بستر بچھا دو۔''
سردار نے مٹکے اتارنے کے بعد خچروں کو اصطبل میں پہنچا دیا۔ ابھی وہ اپنے لیٹنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کر رہا تھا کہ علی بابا آ گیا اور کہنے لگا: ''میرے ساتھ گھر کے بڑے کمرے میں چلیے۔ وہاں بیٹھ کر ہم گپ کریں گے اور آپ کو کھانا پیش کیا جائے گا۔ مہمان کی خاطر تواضع فرض ہے۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ یہاں کہیں پڑ کر سو جائیں۔'' سردار نے جواب دیا: ''آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ میں کہیں اِدھر ہی سو رہوں گا۔ رات بھر کی تو بات ہے۔'' وہ اپنا ارادہ چُھپانے کی خاطر اِس طرح کی باتیں بنا رہا تھا کہ اُس پر ذرا بھی شک نہ ہو۔ جب علی بابا نے بہت اصرار کیا تو بولا: ''جو آپ کی مرضی۔'' لیکن دل میں خوش ہوا کہ کتنی آسانی سے علی بابا کو اُلّو بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ گھر لے جا کر علی بابا دیر تک سردار کے پاس بیٹھا رہا۔ اُس کا دل بہلانے کے لیے طرح طرح کے واقعات سنائے۔ جب سردار کھانا کھا چکا تو علی بابا یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ ''اگر مزید کچھ درکار ہو تو بلا تکلّف مانگ لیجیے گا۔''
علی بابا کے اٹھتے ہی سردار بھی اٹھ کھڑا ہوا اور بولا: ''ذرا خچروں کو دیکھ آؤں۔''
علی بابا نے باورچی خانے میں جا کر مرجینہ کو دوبارہ تاکید کی کہ مہمان کا خاص خیال رکھے اور کہا: ''میرا ارادہ ہے کہ کل صبح سویرے اٹھ کر حمام ہو آؤں۔ نہانے کے بعد کپڑے بدلوں گا۔ تم میرے لیے نیا جوڑا نکال کر عبداللہ کو دے دینا۔ حمام سے آ کر یخنی پیوں گا۔ یخنی تیار کر رکھنا۔''
اُدھر سردار آنگن میں پہنچا تا کہ ساتھیوں کو ہدایات دے سکے۔ پہلے مٹکے سے سینتیسویں مٹکے تک اُس نے ایک ہی بات دہرائی: ''سونے کے لیے مجھے جو کمرا دیا

www.urduchannel.in

گیا ہے اُس میں کھڑکی ہے۔ جب میں دیکھوں گا کہ گھر کے سب لوگ سو گئے ہیں تو کھڑکی سے چند کنکر مٹکوں پر ماروں گا۔ جیسے ہی کنکروں کے مٹکوں سے ٹکرانے کی آواز سنو تو مٹکوں کے منھ پر بندھے کپڑے چُھریوں سے چیر کر باہر آجانا۔ میں بھی

آملوں گا۔'' اِس کام سے فارغ ہو کر وہ گھر میں واپس آ گیا۔ مرجینہ چراغ لے کر اُسے کمرے تک پہنچا آئی اور پوچھا کہ کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں؟ سردار نے کہا: ''نہیں۔'' مرجینہ چراغ کمرے میں رکھ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ اُس کے جاتے ہی سردار نے چراغ بجھا دیا تا کہ گھر والے سمجھیں کہ وہ سو گیا ہے اور بے فکر ہو جائیں۔ اُس نے یہ سوچ کر جوتے تک نہ اتارے کہ تھوڑی دیر بعد اٹھ کر باہر جانا ہے۔

علی بابا نے جو کہا تھا وہ مرجینہ کو یاد تھا۔ پہلے اُس نے نیا جوڑا نکال کر رکھ دیا۔ عبداللہ سے کہا، جو ابھی سویا نہ تھا، کہ چولھے میں آگ جلائے۔ یخنی تیار کرنی باقی تھی۔ مرجینہ ابھی دیگچی صاف کر رہی تھی کہ چراغ بجھ گیا۔ اتفاق کی بات کہ گھر میں تیل ختم ہو چکا تھا اور موم بتیاں بھی نہ تھیں۔ مرجینہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی کہ اندھیرے میں یخنی کیسے تیار کرے۔ عبداللہ نے مرجینہ کی پریشانی تاڑ لی اور کہنے لگا: ''ہوش سے کام لو۔ باہر جا کر کسی مٹکے سے تھوڑا سا تیل لے آؤ۔''

مرجینہ نے عبداللہ کے بروقت مشورے کا شکریہ ادا کیا۔ عبداللہ اٹھ کر سونے چلا گیا کہ اُسے صبح سویرے اٹھ کر علی بابا کے ساتھ حمام جانا تھا۔ مرجینہ نے ایک کٹورا اٹھایا اور باہر نکل گئی۔ جیسے ہی وہ ایک مٹکے کے پاس پہنچی تو قدموں کی آہٹ سن کر چور نے آہستہ سے پوچھا: ''وقت ہو گیا؟''

کوئی اور باندی یا نوکرانی ہوتی تو اسی وقت بدحواس ہو کر غُل مچا دیتی۔ شور پڑ جانے کا نتیجہ علی بابا اور اُس کے گھر والوں کے حق میں بُرا ثابت ہوتا۔ لیکن مرجینہ انتہا کی چالاک تھی۔ وہ حیران ضرور ہوئی کہ مٹکے میں تیل نہیں ہے، کوئی مرد چھپا بیٹھا ہے۔ فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گئی اور سوچنے لگی کہ اگر اُس نے ذرا سا بھی غلط قدم اٹھایا تو وہ خود، علی بابا اور گھر کے سب افراد مارے جائیں گے۔ وہ بڑے اطمینان سے ہر مٹکے کے پاس گئی اور آواز بدل کر کہتی رہی: ''ابھی نہیں۔'' چلتے چلتے وہ آخری مٹکے تک آگئی جس میں تیل بھرا ہوا تھا۔

www.urduchannel.in

مرجینہ کو اب اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ جس آدمی کو علی بابا نے تیل کا سوداگر سمجھ کر رات بھر کے لیے گھر میں ٹھیرا لیا تھا وہ دراصل چوروں کا سردار تھا۔ اُسے شامل کر کے گھر میں اڑتیس چور گھس آئے تھے جو کسی وقت بھی لُوٹ مار شروع کر سکتے تھے۔ پہلے تو مرجینہ نے مٹکے میں کٹورا ڈال کر تیل بھرا اور باورچی خانے میں جا کر چراغ جلایا۔ پھر ایک بڑی دیگ اٹھا کر مٹکے تک لے گئی اور دیگ کو تیل سے بھر دیا۔ پھر خوب زور کی آگ جلا کر دیگ کو چولھے پر چڑھا دیا۔ جب تیل ابلنے لگا تو اُس نے باہر جا کر ہر مٹکے میں کھولتا ہوا تیل ڈالا اور دیکھتے دیکھتے سینتیس کے سینتیس چوروں کو ٹھکانے لگا دیا۔

جب یہ کام، جو مرجینہ کی سمجھ داری اور بہادری کا منھ بولتا ثبوت تھا، کسی شور شرابے کے بغیر ختم ہوا تو مرجینہ نے باورچی خانے میں جا کر دروازہ بند کر لیا، دھڑ دھڑ جلتی آگ کو ہلکا کیا اور یخنی چولھے پر دھر دی۔ چراغ بجھا کے دم سادھے بیٹھی رہی۔ دیکھنا چاہتی تھی کہ سردار اب کیا کرے گا۔

مرجینہ کو انتظار کرتے ہوئے مشکل سے پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ سردار نے بستر سے اٹھ کر کھڑکی کھولی۔ دیکھا کہ گھر میں اندھیرا ہے اور کسی کے چلنے پھرنے یا بولنے کی آواز نہیں آ رہی۔ سمجھ لیا کہ وار کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اُس نے دو تین کنکر اٹھا کر مٹکوں پر مارے۔ اُسے یقین تھا کہ کنکروں کے ٹکرانے کی آواز سنتے ہی تمام ساتھی باہر آ جائیں گے۔ وہ کان لگا کر سنتا رہا لیکن باہر مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ اُس نے مزید دو دفعہ کنکر مارے لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ حیران پریشان ہو کر وہ کمرے سے یہ بڑبڑاتا ہوا نکلا کہ "کم بختو، کیا تم سوئے پڑے ہو؟" لیکن مٹکوں کے پاس جاتے ہی جلے گوشت کی چراہند سے اُس کی طبیعت بگڑ گئی۔ اُس نے ایک ایک مٹکے کو جا کر دیکھا اور سمجھ گیا کہ اُس کے ساتھی مارے جا چکے ہیں۔ آخری مٹکے میں تھوڑا سا تیل باقی تھا۔ سردار نے جان لیا کہ اسی مٹکے سے تیل نکال اور ابال کر اُس کے ساتھیوں کو زندہ تل دیا گیا ہے۔ غصے کے مارے کانپتے

لگا۔ ایک تو اُس کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ دوسرا غضب یہ ہوا کہ پرانے اور جیالے ساتھی، جو ایک مدت سے بُرے بھلے وقتوں میں ساتھ نباہتے آرہے تھے، اچانک جان سے جاتے رہے۔ اُس کا دل ٹوٹ گیا۔ وہ دیوار پر چڑھ کر علی بابا کے باغ میں اترا اور وہاں سے اردگرد کے کئی باغوں کی دیواریں پھاند کر رفو چکر ہوا۔

مرجینہ انتظار کرتی رہی۔ جب اُس نے کوئی آواز نہ سنی اور سردار کو واپس آتے نہ دیکھا تو سمجھ لیا کہ وہ آس پاس کی دیواریں پھاند کر بھاگ گیا ہے۔ گلی میں کُھلنے والے دروازے پر دو دو تالے لگے ہوئے تھے۔ اِس لیے اُدھر سے وہ باہر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ خوش ہوئی کہ اپنی عقل مندی سے گھر کو تباہی سے بچا لیا اور بے فکر ہو کر سو گئی۔

علی بابا نے صبح سویرے اٹھ کر حمام کی راہ لی۔ اُسے خبر بھی نہ تھی کہ رات گھر میں کیا کھیل کھیلا گیا۔ وجہ یہ کہ مرجینہ نے اُسے جگانا مناسب نہ سمجھا تھا اور چوروں کا صفایا کرنے کے بعد اُسے خبردار کرنے کی ضرورت بھی کہاں رہی تھی۔

جب وہ حمام سے نہا دھو اور کپڑے بدل کر لوٹا تو دھوپ نکل آئی تھی۔ گھر آکر دیکھتا کیا ہے کہ مٹکے جوں کے توں آنگن میں دھرے ہیں، خچر اصطبل میں کھڑے ہیں اور سوداگر کا کہیں پتا نہیں۔ دروازہ مرجینہ نے کھولا تھا۔ علی بابا نے حیران ہو کر پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ مرجینہ نے کہا: ”خدا آپ کو اور آپ کے گھرانے کو امان میں رکھے۔ اگر آپ میرے ساتھ چلیں اور جو میں دکھانا چاہتی ہوں دیکھیں تو آپ خود ہی سمجھ جائیں گے کہ کیا چکر ہے۔ مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔“

مرجینہ نے دروازہ بند کیا اور علی بابا اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ مٹکوں کے پاس جا کر مرجینہ نے کہا: ”دیکھیے، مٹکوں میں تیل ہے کہ نہیں؟“ علی بابا نے ایک مٹکے میں جھانکا تو اُس میں آدمی دیکھ کر ہڑبڑا کر ہٹا، اُس کے اوسان خطا ہو گئے اور زور سے چیخا: ”یہ کون؟“ مرجینہ بولی: ”آپ ڈریے مت، جس آدمی پر آپ کی نظر پڑی وہ اب آپ کا یا کسی اور کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“ علی بابا نے کہا: ”یہ تم نے مجھے کیا

دکھا دیا؟ اِس معمّے کو تو حل کرو۔“ مرجینہ بولی: ”آپ اپنے ہوش و حواس قائم رکھیں۔ اگر آپ نے زیادہ شور مچایا تو سارے پڑوسی دوڑے چلے آئیں گے۔ جو کچھ آپ نے دیکھا ہے اِسے راز ہی رہنا چاہیے۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ جائیے، تمام مٹکوں میں جھانکیے۔“

علی بابا نے ایک ایک کر کے مٹکوں میں جھانکا۔ سب میں آدمی مرے پڑے تھے۔ آخری مٹکے کو دیکھا تو اُس میں تھوڑا سا تیل موجود تھا۔ وہ بڑی دیر تک بُت بنا کھڑا رہا۔ کبھی مٹکوں پر نظر ڈالتا، کبھی مرجینہ کی طرف دیکھتا۔ وہ اتنا حیرت زدہ تھا کہ اُس سے بولا بھی نہ جا رہا تھا۔ آخر جب اُس کی حالت کچھ سنبھلی تو کہنے لگا: ”اور وہ سوداگر کہاں گیا؟“

مرجینہ نے کہا: ”کیسا سوداگر، کہاں کا سوداگر، ایسے مکار بڑے دیکھے ہیں۔ میں بتاتی ہوں وہ کون تھا اور کہاں غائب ہو گیا۔ پہلے آپ گھر میں قدم رکھیں اور یخنی نوش کریں جو میں نے آپ کے لیے تیار کی ہے۔“

علی بابا اندر تو چلا گیا لیکن اِس عجیب واقعے کو سننے کے لیے اتنا بے چین تھا کہ بولا: ”پہلے مجھے بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟ یخنی بعد میں پی لوں گا۔“

مرجینہ نے بتایا کہ رات کس طرح چراغ گُل ہو گیا۔ گھر میں تیل تھا نہ موم بتی۔ عبداللہ کے کہنے پر وہ کسی مٹکے سے ضرورت بھر تیل لینے نکلی تو پتا چلا کہ تیل صرف ایک مٹکے میں ہے۔ باقی مٹکوں میں چور چھپے بیٹھے ہیں۔ کس طرح اُس نے سردار کی آواز بنا کر اُنھیں دھوکا دیا اور پھر تیل ابال کر مٹکے میں ڈالا۔ سب چور مر گئے۔ جب سردار کو معلوم ہوا کہ ساتھی مر چکے ہیں تو وہ دیواریں پھاند کر بھاگ گیا۔

سارا احوال سنا کر مرجینہ نے کہا: ”اِس سے پہلے بھی میں نے دو دفعہ چالاکی سے کام لے کر آپ سب کو بچایا اور اِس کا ذکر تک کبھی نہیں کیا۔ ایک دن میں باہر سے آئی تو دیکھا کہ دروازے پر سفید چاک سے نشان لگا ہوا ہے۔ میں سمجھ گئی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ میں نے ویسے ہی نشان دوسرے مکانوں کے دروازوں پر لگا

سکین اینڈ اپ لوڈ بائے محمد ندیم

دیے۔ اِس کے بعد کسی نے ہمارے دروازے پر لال رنگ سے نشان لگا دیا۔ اِس کا توڑ بھی میں نے وہی کیا یعنی ویسے ہی لال نشان دوسرے مکانوں کے دروازوں پر بھی لگا دیے۔ دونوں دفعہ چوروں کو منھ کی کھانی پڑی۔ کُل چالیس چور تھے۔ اُن میں سے سینتیس مارے جا چکے۔ سردار بھاگ گیا۔ دو کا اتا پتا نہیں۔ یہ چور آپ کی جان کے دشمن ہیں۔ آپ کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے۔ خطرہ ابھی ٹلا نہیں۔''

یہ گفتگو سن کر علی بابا کو اندازہ ہوا کہ مرجینہ کا اُس پر اور اُس کے خاندان پر کتنا بڑا احسان ہے۔ کہنے لگا: ''مرجینہ، تم نے جو خدمت انجام دی ہے اِس کا تمھیں بڑا انعام ملنا چاہیے۔ لو، پہلی بات سنو۔ آج سے میں نے تمھیں آزاد کیا۔ اب تم میری یا کسی اور کی باندی نہیں۔ تمھارے کہے کا مجھے یقین ہے کہ چوروں نے مجھے مارنے کے لیے بار بار جال بچھایا۔ مگر تم نے کمال سمجھ داری دکھا کر اُن کی ہر چال ناکام بنا دی۔ خدا کی مدد سے اور تمھاری عقل مندی سے باقی بچے مکاروں کا خاتمہ بھی ہو جائے گا اور دنیا میں اُن کے ظلم اور ستم کا نشان باقی نہ رہے گا۔ لیکن اب سب سے پہلے رازداری کے ساتھ اِن چوروں کی لاشوں کو زمین میں دبانا ہے۔ یہ کام، عبداللہ کو ساتھ لے کر، میں آپ کروں گا۔''

علی بابا کے بہت لمبے چوڑے باغ میں ایک طرف گھنے درختوں کا جھنڈ تھا۔ درختوں کے پاس علی بابا اور عبداللہ نے اتنی بڑی خندق کھودی جس میں مرے ہوے چور سما جائیں۔ اُس جگہ مٹی نرم تھی۔ اِس لیے خندق کھودنے میں دیر نہ لگی۔ مٹکوں سے لاشیں نکال کر خندق میں ڈالیں اور خندق میں دوبارہ مٹی بھر دی۔ مٹکے اٹھا کے گھر میں رکھے۔ خچر علی بابا کو درکار نہ تھے۔ اُنھیں ایک ایک دو دو کر کے بیچ دیا۔

یہاں تو علی بابا پر یہ دُھن سوار تھی کہ اُس کا راز کسی پر نہ کُھلے اور لوگوں کو ہرگز علم نہ ہو کہ آخر وہ، تھوڑے عرصے میں، بیٹھے بٹھائے، اتنا امیر کیسے ہو گیا، اُدھر چوروں کا سردار، غموں کا مارا، دکھیارا، اکیلا غار کو لوٹا۔ اپنی ناکامی پر رنجیدہ کہ علی بابا سے انتقام لینے کی تمنا خاک میں مل گئی تھی۔ عقل کا چراغ گُل ہو چکا تھا اور اُس کی

سمجھ میں نہ آتا تھا کہ علی بابا سے کیسے نمٹے۔

غار بالکل سنسان پڑا تھا۔ ساتھی مارے جا چکے تھے۔ غار میں خود کو اکیلا پا کر سردار پر خوف طاری ہو گیا۔ وہ رو رو کر کہنے لگا: ''ارے میرے بہادر جوانو، میرے پرانے ساتھیو، تم کہاں چلے گئے! تمھارے بغیر میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ دکھ ہے تو یہ کہ قسمت نے تمھارے ساتھ کیا ہاتھ کیا۔ تم سب کو ذلت کی موت نصیب ہوئی۔ اِس طرح مرنا تمھاری شان کے خلاف تھا۔ اگر تم سب، جو صحیح معنی میں جی دار تھے، تلواریں ہاتھ میں لے کر، جان دیتے تو مجھے اتنا پچھتاوا نہ ہوتا۔ اب تم جیسے جیالے میں کہاں سے اکٹھے کروں؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں نئے ساتھیوں کو تلاش کرنے کے لیے نکل پڑوں اور خزانے کی طرف سے غافل ہو جاؤں؟ علی بابا اِس خزانے کی تاک میں ہے۔ اُسے مزید مہلت کیوں دوں؟ میں جو کام تم سب کے ساتھ ہوتے ہوے بھی انجام نہ دے سکا اب اکیلے ہی بھگتاؤں گا۔ جب یہ خزانہ محفوظ ہو جائے گا تو نئے ساتھی اور کوئی ایسا سورما تلاش کروں گا جو میری جگہ سنبھال سکے۔ وہ سب اِس خزانے کو مدتوں محفوظ رکھیں گے اور اِس میں اضافہ بھی کرتے رہیں گے۔'' جب اُس نے یہ فیصلہ کر لیا تو اُس کے سر سے بوجھ اتر گیا۔ اِس کے بعد وہ رات بھر چین سے سوتا رہا۔

اگلے دن، منھ اندھیرے اٹھ کر، اُس نے وہی لباس پہنا جو اپنے لیے تجویز کیا تھا اور اُس منصوبے کے عین مطابق تھا جس کا خیال اُس کے ذہن میں آیا تھا۔ شہر جا کر ایک سرائے میں قیام کیا۔ سردار کو پورا یقین تھا کہ علی بابا کے گھر پر اُس رات جو کچھ ہوا تھا اُس کا چرچا شہر میں ہر طرف ہوگا۔ اِس لیے، باتوں باتوں میں، اُس نے سرائے کے مالک سے پوچھا کہ پچھلے دنوں شہر میں کیا خاص واقعات پیش آئے تھے۔ سرائے والے نے بہتیرے اِدھر اُدھر کے قصے سنا ڈالے لیکن جو بات سردار سننا چاہتا تھا اُس کا سرے سے ذکر نہ کیا۔ سردار سمجھ گیا کہ علی بابا نے انتہا کی رازداری سے کام لیا ہے۔ وہ نہیں چاہتا ہوگا کہ لوگ پوچھ گچھ کریں کہ آخر اتنے بہت سے چور کیوں

www.urduchannel.in

اُس کی جان لینے کے خواہاں تھے اور اُسے مجبوراً خزانے کا راز عام کرنا پڑے۔ سردار نے ٹھان لیا کہ وہ علی بابا کو ٹھکانے لگا کر ہی دم لے گا۔ وہ جان گیا کہ ایسے خطرناک اور چالاک دشمن کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر سے کام لینا اور چُھپ کر وار کرنا ضروری ہے۔

سردار منصوبہ تیار کر چکا تھا۔ گھوڑے پر چڑھ کر غار کا رخ کیا۔ وہاں سے طرح طرح کے قیمتی کپڑے لاد کر سرائے میں لاتا رہا۔ اُسے غار اور شہر کے درمیان بہت سے پھیرے لگانے پڑے۔ آتے جاتے ہوئے پوری طرح چوکس رہتا تاکہ کوئی اُس کا پیچھا نہ کر سکے۔ جب ڈھیروں کپڑے جمع ہو گئے تو اُس نے ایک دکان کرائے پر لی اور سارا سامان وہاں لا رکھا۔ اتفاق سے بازار میں اُس دکان کے ٹھیک سامنے قاسم کی دکان تھی جہاں اب علی بابا کا بیٹا بیٹھ کر لین دین کرتا تھا۔

سردار نے خواجہ حسین کا نام اختیار کیا۔ چونکہ بازار میں نیا نیا آیا تھا اِس لیے، قاعدے کے مطابق، تمام پڑوسی دکان داروں سے بڑی شرافت سے پیش آتا اور ایسی باتیں کرتا جن کو سن کر وہ خوش ہو جاتے۔ علی بابا کا بیٹا جوان بھی تھا اور خوب صورت بھی۔ تمیز دار بھی حد سے زیادہ تھا۔ خواجہ حسین سے اُس کی اچھی نبھی۔ وہ اکثر آپس میں گپ شپ کرتے۔ جب سردار کو پتا چلا کہ وہ علی بابا کا بیٹا ہے تو اُس کی طرف جان بوجھ کر دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ اُس کا دل جیتنے کے لیے خوب چکنی چپڑی باتیں کرتا، کبھی چھوٹے موٹے تحفے دیتا۔ اکثر تقاضا کرتا کہ کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔ علی بابا کا بیٹا دعوت قبول کر لیتا تو ایک سے ایک عُمدہ چیز منگوا کر کھلاتا۔

اب یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ علی بابا کے بیٹے کی اتنی خاطر ہو اور وہ جواب میں کچھ بھی نہ کرے۔ کسی کا احسان اٹھانا اُس کے مزاج کے خلاف تھا۔ مشکل یہ تھی کہ جہاں وہ رہتا تھا وہاں اتنی گنجائش نہ تھی کہ ڈھنگ کی دعوت کی جا سکتی۔ اوپر سے اُس کا ہاتھ بھی کچھ تنگ تھا۔ اُس نے سارا معاملہ علی بابا کے سامنے رکھا اور کہا: ''یہ اچھا نہیں لگتا کہ خواجہ حسین مجھ پر اتنی مہربانیاں کرے اور میں بدلے میں ایک دفعہ بھی

اُس کی دعوت نہ کر سکوں۔ لیکن جہاں میں رہتا ہوں وہ جگہ دعوت کے لیے مناسب نہیں۔''

علی بابا نے خوش ہو کر جواب دیا: ''دعوت کا بندوبست میرے ذمے رہا۔ بیٹے، کل جمعہ ہے۔ بازار بند رہے گا۔ سہ پہر کے بعد خواجہ حسین کے ساتھ ٹہلنے چلے جاؤ۔ سیر سے واپسی پر اِدھر سے گزرو جیسے محض اتفاق سے یہاں آ نکلے ہو۔ خواجہ کو گھر میں لے آؤ۔ میں جا کر مرجینہ سے کہہ دوں گا کہ رات کے لیے کھانا تیار کر دے۔''

اگلے دن سہ پہر کو خواجہ حسین اور علی بابا کا بیٹا سیر کے لیے نکل گئے۔ واپسی پر علی بابا نے ایسا راستہ اختیار کیا جو علی بابا کے گھر کے آگے سے گزرتا تھا۔ وہاں پہنچ کر بیٹے نے دروازے پر دستک دی اور بولا: ''جناب، یہ میرے والد صاحب کا گھر ہے۔ میں نے اُن سے آپ کا ذکر کیا تھا کہ کس طرح آپ میری خاطر بچھے بچھے جاتے ہیں اور میرا دل بہلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یہ سن کر اُنھوں نے آپ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ آپ گھر میں تشریف لے چلیں۔ میری اور والد صاحب کی عزت افزائی ہوگی۔ آپ نے جہاں مجھ پر اتنی مہربانیاں کی ہیں وہاں یہ کرم بھی فرمائیے۔''

خواجہ حسین کی دلی خواہش یہی تھی کہ کسی طرح علی بابا کے گھر میں آنے جانے کا بہانہ ہاتھ آجائے تاکہ موقع ملتے ہی، چُھپ چُھپاتے، اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے بغیر، علی بابا کو ہلاک کر کے چلتا بنے۔ تاہم پہلے پہل اُس نے ظاہر کیا کہ رکنے پر راضی نہیں اور رخصت ہوا چاہتا ہے۔ اتنے میں ایک نوکر نے دروازہ کھول دیا اور علی بابا کا بیٹا خواجہ حسین کا ہاتھ پکڑ کر، گویا زبردستی، اندر لے گیا۔

علی بابا نے مسکرا کر خواجہ حسین کو خوش آمدید کہا اور بڑے خلوص سے شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا: ''آپ میرے بیٹے کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتے ہیں۔ ابھی یہ نوجوان ہے۔ دنیا کے معاملوں کی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں رکھتا۔ میرا دل کہتا ہے کہ آپ کے پاس اٹھے بیٹھے گا تو عقل سے کام لینا سیکھ جائے گا۔''

www.urduchannel.in

خواجہ حسین نے جواب میں علی بابا کے بیٹے کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا اور کہا: "جو سمجھ بزرگوں میں ہوتی ہے وہ بے شک اِس نوجوان میں نہ سہی لیکن اِس قدر تمیزدار ہے کہ بڑے بڑوں سے بازی لے گیا ہے۔" تھوڑی دیر اُنھوں نے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں۔ اِس کے بعد خواجہ حسین نے پھر کہا: "اب مجھے اجازت دیجیے۔ رخصت ہونا چاہتا ہوں۔" علی بابا نے اُسے روک لیا اور بولا: "صاحب، آپ کہاں چلے؟ اتنی جلدی کیا ہے؟ میں درخواست کرتا ہوں کہ رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھایئے۔ جو دال دلیا حاضر ہے وہ آپ کے لائق تو نہیں۔ بہرحال، ہمارا دسترخوان آپ کا منتظر ہے۔"

خواجہ حسین نے جواب دیا: "جناب، آپ کے خلوص پر مجھے ذرا بھی شک نہیں۔ لیکن امید ہے کہ میرے انکار پر آپ بُرا نہیں مانیں گے۔ دعوت قبول نہ کرنے سے آپ کے دل کو ٹھیس پہنچانا مقصود نہیں۔ وجہ کچھ اور ہے اور اگر میں وجہ بیان کر دوں گا تو آپ یقیناً مجھے معاف کر دیں گے۔"

علی بابا نے پوچھا: "اگر گستاخی نہ سمجھا جائے تو کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟" خواجہ حسین نے کہا: "بات صرف اتنی ہے کہ میں وہ سالن نہیں کھا سکتا جس میں نمک پڑا ہو۔ آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ اِس صورت میں آپ کے دسترخوان سے کیا انصاف کر سکوں گا۔"

علی بابا یہ سنتے ہی بول اٹھا: "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ صرف نمک سے پرہیز کی وجہ سے آپ ہمارے دسترخوان کو عزت بخشنے سے انکار کر رہے ہیں۔ پہلے میں یہ عرض کر دوں کہ میرے گھر میں جو روٹی پکتی ہے اُس میں نمک سرے سے نہیں ہوتا۔ رہ گیا گوشت جس کا سالن آپ کے سامنے رکھا جائے گا تو یہ میرا وعدہ کہ نمک اُس میں بھی نام کو نہیں ہوگا۔ میں ابھی منع کرا آتا ہوں کہ کسی سالن میں نمک نہ ڈالا جائے۔ آپ مہربانی فرما کر تشریف رکھیں۔ میں ایک منٹ میں حاضر ہوا۔"

علی بابا نے باورچی خانے میں جا کر مرجینہ سے کہا: "آج گوشت کا جو سالن

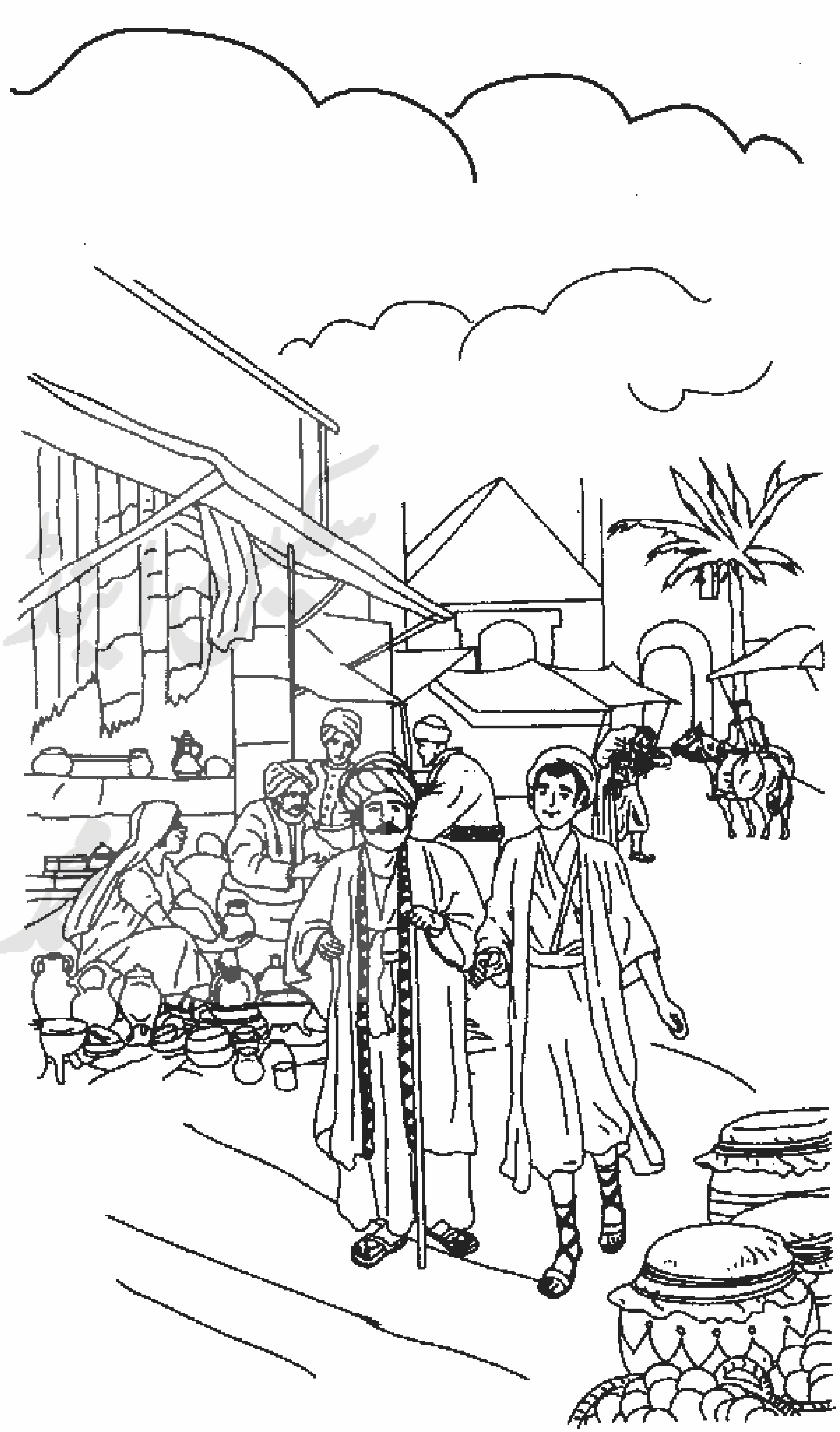

www.urduchannel.in

تیار کیا جائے اُس میں نمک بالکل نہ ہو۔ میرا مہمان نمک نہیں کھاتا۔ ہاں، دو تین طرح کی ترکاریاں گوشت میں ڈال کر پکا لو۔ اُن میں بھی نمک نہیں پڑے گا۔ اچھی طرح یاد رکھنا۔"

ویسے تو مرجینہ ہمیشہ علی بابا کا کہا ماننے کو تیار رہتی تھی لیکن اچانک ایسی اوٹ پٹانگ ہدایت سن کر کچھ چڑ گئی۔ کہنے لگی: "کون ایسا سر پھرا مہمان آ ٹپکا جو نمک کے بغیر گوشت کھائے گا؟ آپ کو ایسا بدمزہ کھانا کھلاؤں! توبہ، توبہ۔ یہ مجھے منظور نہیں۔"
علی بابا بولا: "مرجینہ، خفا مت ہو۔ میرا مہمان بھلا مانس ہے۔ جو میں نے کہا وہی کرو۔"

مرجینہ نے بے دلی سے علی بابا کا حکم مان تو لیا لیکن بڑی بے چین ہوئی کہ چل کر دیکھنا چاہیے کہ یہ کون آدمی ہے جو نمک نہیں کھاتا۔ چنانچہ جب وہ کھانا پکانے سے فارغ ہوگئی اور عبداللہ نے جا کر دسترخوان بچھا دیا تو خود بھی رکابیاں اور ڈونگے لے جانے کے بہانے وہاں جا پہنچی جہاں علی بابا مہمان کے ساتھ بیٹھا تھا۔ خواجہ حسین نے اپنا حلیہ بڑی مہارت سے بدلا تھا لیکن مرجینہ پہلی نظر ڈالتے ہی پہچان گئی کہ اصل میں وہ چوروں کا سردار ہے۔ مرجینہ نے سردار کا غور سے جائزہ لیا تو نظر آیا کہ اُس نے لباس کے نیچے خنجر چھپا رکھا ہے۔ دل میں کہنے لگی: "اب مجھے اس بات پر ذرا بھی حیرانی نہیں کہ یہ منحوس، جو میرے آقا کے خون کا پیاسا ہے، نمک کیوں نہیں کھانا چاہتا۔ یہ میرے آقا کو قتل کرنے آیا ہے۔ نمک اِس لیے نہیں کھا رہا کہ نمک کھا کے وار کرے گا تو نمک حرام کہلائے گا۔ لیکن میں اِسے چھوڑوں گی نہیں۔ اِس کا قصہ ختم سمجھو۔"

علی بابا، علی بابا کے بیٹے اور مہمان کے آگے کھانا چُن دیا گیا اور وہ کھانا کھانے اور گپ لگانے میں مصروف ہو گئے۔ اُدھر مرجینہ نے ایسا منصوبہ تیار کیا جس کے لیے بڑی ہمت کی ضرورت تھی۔ جب عبداللہ پھلوں کی چاٹ لے کر آیا تو مرجینہ نے آپ جا کر ایک چھوٹی سی میز بچھائی اور اُس پر تین گلاس رکھ دیے۔ وہ خود وہاں نہ ٹھیری

تاکہ علی بابا اور مہمان آپس میں کسی تکلف کے بغیر بات چیت کرتے رہیں۔

خواجہ حسین، بلکہ کہنا چاہیے، چوروں کا سردار خوش خوش بیٹھا تھا کہ گلاس آ گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد شراب پیش کی جائے گی۔ دل میں کہنے لگا: "اب میں علی بابا کو قتل کر کے ہی چھوڑوں گا۔ باپ بیٹے کو اتنی شراب پلاؤں گا کہ ہوش میں نہ رہیں گے۔ بیٹے سے مجھے کچھ لینا دینا نہیں۔ اُسے کچھ نہ کہوں گا۔ بس ایک ہی وار میں علی بابا کا خاتمہ کر کے فرار ہو جاؤں گا۔ بیٹا مدہوش ہوگا۔ مجھے روک نہ سکے گا۔ رہ گئے باندیاں اور نوکر، اُن کی کوئی پروا نہیں۔ کھانے پینے میں مشغول ہوں گے۔ کیا پتا، پڑ کے سو ہی گئے ہوں۔"

لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ مرجینہ جعلی سوداگر کی بُری نیت بھانپ چکی تھی۔ اُس نے طے کر لیا کہ بدمعاش سردار کو اپنی خونی کارروائی مکمل کرنے کا کوئی موقع نہ دے گی۔ اُس نے ناچنے والیوں کا لباس پہنا۔ کمر میں چاندی سے سجا ہوا پٹکا باندھا اور پٹکے میں چاندی کا ایک چھوٹا مگر تیز خنجر اڑا لیا۔ منھ پر ایک خوش نما مصنوعی چہرہ لگایا۔ بھیس بدل کر عبداللہ سے بولی: "یہ دف اٹھاؤ۔ آؤ، اپنے آقا اور اُس کے مہمان کا دل بہلائیں۔ آخر آقا جب تنہا ہوتے ہیں تو کبھی کبھار انھیں خوش کرنے کے لیے ہم ناچتے گاتے ہی ہیں۔"

عبداللہ نے دف اٹھایا اور دف بجاتا ہوا آگے چل پڑا۔ جس کمرے میں علی بابا چوروں کے سردار کے ساتھ بیٹھا تھا اُس کے دروازے میں قدم رکھتے ہی مرجینہ نے جھک کر سلام کیا۔ گویا اجازت چاہی کہ گا بجا اور ناچ کر اپنا کمال دکھائے۔ علی بابا نے کہا: "مرجینہ، آؤ۔ ہمیں دکھاؤ کہ تم ناچنے گانے میں کتنی ماہر ہو۔ پھر ہم اپنے مہمان سے پوچھیں گے کہ تمھارے بارے میں اُن کی کیا رائے ہے۔" یہ کہہ کر علی بابا چوروں کے سردار سے مخاطب ہوا: "یہ نہ سمجھیے کہ میں نے آپ کا دل بہلانے کے لیے، مال خرچ کر کے، باہر سے کسی کو بلایا ہے۔ یہ میری نوکرانی ہے اور دف بجانے والا میرا باورچی ہے۔ مجھے امید ہے کہ جو تفریح اِن کے کرتب ہمیں فراہم کریں گے وہ آپ کو

www.urduchannel.in

ناگوار نہ معلوم ہوگی۔''

چوروں کے سردار کے گمان میں بھی نہ تھا کہ کھانے پینے سے فراغت پا کر اُسے ناچ دیکھنا اور گانا سننا پڑے گا۔ اُس نے دل میں کہا: ''میں نے سوچا کیا تھا اور ہو کیا گیا۔ علی بابا کو مار ڈالنے کا موقع آج شاید ہی ملے۔ خیر، اب دوستی ہوگئی ہے۔ اِس گھر میں اپنا آنا جانا رہے گا۔ کسی اور دن سہی۔ جلدی کیا ہے۔'' سردار کا جی یہی چاہتا تھا کہ ناچ گانے سے جلد سے جلد چھٹکارا ملے۔ مگر علی بابا کو ناراض کرنا بھی ٹھیک معلوم نہ ہوتا تھا۔ اِس لیے اپنی مرضی کے خلاف ناچ دیکھنے کو تیار ہوگیا۔

علی بابا کا اشارہ پاتے ہی عبداللہ نے دف بجانا شروع کیا اور مرجینہ ناچنے لگی۔ اُس کا ناچ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو جھوم اٹھتا اور ''واہ واہ!'' کے نعرے لگاتا۔ لیکن چوروں کے سردار کا دھیان کہیں اور تھا۔ ناچ پر کیا توجہ دیتا۔ یہی سوچ رہا تھا کہ موقع خوب ہاتھ آیا تھا لیکن اِس ناچ گانے نے بنا بنایا کام بگاڑ دیا۔

مرجینہ نئے سے نئے انداز سے ناچی۔ ہر ناچ میں کمال کر دکھایا۔ آخر میں مرجینہ نے خنجر تان لیا اور اُسے لہرا لہرا کر ادائیں دکھانے لگی۔ کبھی خنجر اپنے سینے پر رکھ لیتی، کبھی چکر کھا کر خنجر کا رخ علی بابا یا سردار کی طرف کر دیتی۔ جب ناچتے ناچتے سانس پھول گیا تو اُس نے عبداللہ سے دف لے لیا، خنجر سیدھے ہاتھ میں تھاما اور علی بابا کی طرف دف بڑھا دیا۔ ناچنے والیاں ناچ ختم کر کے دیکھنے والوں سے انعام لینے کے لیے یہی کرتی تھیں۔

علی بابا نے دف میں ایک اشرفی ڈال دی۔ اس کے بعد علی بابا کے بیٹے کی باری آئی۔ اُس نے بھی ایک اشرفی دی۔ آخر میں مرجینہ چوروں کے سردار کی طرف مڑی۔ اُسے آتا دیکھ کر سردار اپنا بٹوا نکال کر کھولنے لگا۔ مرجینہ نے اُسے بے خبر دیکھا تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر خنجر اِس طرح مارا کہ سردار کے دل کے آر پار ہوگیا۔

یہ حرکت دیکھ کر علی بابا اور اُس کے بیٹے کے چہروں کا رنگ اُڑ گیا۔ علی بابا نے پکار کر کہا: ''اری کم بخت، یہ تُو نے کیا کیا؟ تُو مجھ پر اور میرے گھر والوں پر آفت

ڈھانا چاہتی ہے۔'' مرجینہ نے کہا: ''یہ کام میں نے آپ کو برباد کرنے کے لیے نہیں کیا۔ آپ کو تباہ ہونے سے بچایا ہے۔'' یہ کہہ کر اُس نے چوروں کے سردار کے لباس میں چھپا ہوا خنجر نکال کر دکھایا اور بولی: ''آپ کس دشمن کو مہمان بنا کر گھر لے آئے۔

www.urduchannel.in

ذرا غور سے دیکھیے۔ یہی ہے جو آپ کے پاس تیل کا سوداگر بن کر آیا تھا۔ یہی ہے جو اصل میں چوروں کا سردار تھا اور آپ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہی وہ بدمعاش تھا جسے آپ کا نمک کھانے سے انکار تھا۔ جب آپ نے کھانے میں نمک نہ ڈالنے کی ہدایت کی تھی تو میں اسی وقت کھٹک گئی تھی۔ اسے دیکھے بغیر ہی میرے دل میں شک پیدا ہو گیا تھا۔ جب میں نے آکر اس پر نظر ڈالی تو میرا یہ شک یقین میں بدل گیا۔"

مرجینہ کی باتیں سن کر علی بابا کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اُس کی سمجھ میں آ گیا کہ مرجینہ نے اپنی دانائی سے دو مرتبہ اُس کی جان بچائی ہے۔ اُس نے اٹھ کر مرجینہ کو گلے لگا لیا اور بولا: "مرجینہ، تجھے آزاد پہلے ہی کر چکا ہوں۔ یہی نہیں، میں نے وعدہ کیا تھا کہ تیرے ساتھ اتنا اچھا سلوک کروں گا کہ تُو نہال ہو جائے گی۔ اب سن! میں نے جو کہا تھا وہ کر کے دکھاتا ہوں۔ آج سے تُو اس گھر میں میری بہو بن کر رہے گی۔" پھر وہ بیٹے سے مخاطب ہوا: "بیٹے، مجھے پتا ہے تم نہایت فرماں بردار ہو۔ میرا کہا نہ ٹالو گے۔ مرجینہ سے شادی کرنے پر تیار ہو جاؤ گے۔ دیکھو، چوروں کے سردار نے کس مکاری سے تم سے دوستی بڑھائی۔ مقصد یہ تھا کہ اُس دوستی کی آڑ میں، موقع پا کر، مجھے مار ڈالے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے قتل کرنے کے بعد وہ تمھیں بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ مرجینہ کی ذہانت نے ہمارے خاندان کو ختم ہونے سے بچا لیا۔ وہ ہمارا سہارا بنی اور تمھاری بیوی بن کر ہمارے حق میں اور بھی بھلی ثابت ہوگی۔"

بیٹے نے ذرا بھی ٹال مٹول نہ کی اور فوراً ہاں کر دی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ باپ کا کہا مانتا تھا۔ بڑی وجہ یہ ٹھیری کہ مرجینہ اُسے پسند بھی تھی۔

یہ قول و قرار ہو چکا تو اُنھیں چوروں کے سردار کی لاش ٹھکانے لگانے کی فکر ہوئی۔ جہاں اُس کے باقی ساتھیوں کو باغ میں گاڑا تھا وہیں گڑھا کھود کر اُسے بھی دفنا دیا۔ یہ کام اِس صفائی سے انجام دیا کہ اڑوس پڑوس میں کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔

کہتے ہیں کہ بیسیوں سال گزر جانے کے بعد اِس راز سے پردہ اٹھا لیکن اُس وقت تک کسی کو پروا بھی نہ رہی تھی کہ چوروں یا اُن کے سردار کا کیسے اور کس کے ہاتھوں خاتمہ ہوا تھا۔

چند روز بعد علی بابا نے اپنے بیٹے اور مرجینہ کی بڑی سادگی سے شادی کر دی۔ اُسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ شادی میں شریک ہونے والے دوستوں اور پڑوسیوں کو بالکل علم نہ تھا کہ یہ شادی کس بنا پر ہوئی تھی۔ جو لوگ مرجینہ کی خوبیوں سے واقف تھے اُنھوں نے علی بابا کی دانش مندی کو سراہا اور یہ بھی کہا کہ وہ بڑا دل والا ہے جو بیٹے کو باندی سے بیاہ دیا۔

علی بابا چوروں کے غار میں آخری دفعہ قاسم کی تلاش میں گیا تھا۔ مرجینہ اور بیٹے کی شادی کے بعد بھی ایک مدت تک اُس نے غار کا رخ نہ کیا۔ اُسے ڈر تھا کہ دو چور ابھی باقی ہیں۔ سوچتا تھا کہ شاید وہ غار میں چھپے ہوے ہوں۔ اُدھر گیا تو اُسے مار ہی نہ ڈالیں۔ علی بابا کو خبر ہوتی بھی کیسے کہ وہ دونوں پہلے ہی مارے جا چکے تھے۔

ایک سال گزر گیا۔ چوروں کی کوئی خبر نہ ملی۔ علی بابا کے دل سے خوف جاتا رہا۔ ایک روز اُس نے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی راہ لی۔ پوری طرح چوکس رہا کہ کوئی اُس کا پیچھا تو نہیں کر رہا، کوئی اُس کی تاک میں تو نہیں۔ جب وہ غار کے پاس پہنچا تو اندازہ ہوا کہ بہت دن سے وہاں کوئی آیا گیا نہیں۔ یہ دیکھ کر علی بابا کا حوصلہ بڑھ گیا۔ گھوڑا ایک جگہ باندھا اور غار کے سامنے جا کر "کھل جا سم سم!" کہا۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی اُسے یقین آ گیا کہ چوروں کے سردار کے مرنے کے بعد کسی کا وہاں گزر نہیں ہوا تھا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ چالیسوں چور مر کھپ چکے تھے اور دنیا میں وہ واحد آدمی ہے جسے غار میں آنے جانے کا طریقہ معلوم ہے اور وہی اب کُل خزانے کا مالک ہے۔ اُس نے بے فکر ہو کر ڈھیر ساری اشرفیاں تھیلے میں بھریں اور گھر کا رستہ لیا۔

بعد میں وہ بیٹے کو ساتھ لایا اور اُسے دروازہ کھولنے اور بند کرنے کا طریقہ

www.urduchannel.in

سمجھادیا۔ اِس طرح وہ دونوں امیر سے امیر تر ہوتے گئے اور بڑے بڑے عہدے
اُن کے حصے میں آئے۔ سنا ہے کہ خزانے کا راز نسلوں تک اُن کے خاندان میں محفوظ
رہا۔ خزانہ تھا ہی اتنا کہ آسانی سے ختم نہ ہوسکتا تھا۔

سکین اینڈ اپ لوڈ بائے
محمد ندیم